آئینۂ تاریخ

حصہ دوم

(۲)

مرتبہ

افضل حسین

ایم۔اے۔ایل۔ٹی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ تاریخ حصّۂ دوم

دیباچہ

تاریخ دراصل انسانیت کا حافظہ ہے، جو نہ صرف قوموں اور جماعتوں کے بلکہ کُل نوعِ انسانی کے پچھلے تجربات کا دفتر محفوظ رکھ کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ ان تجربات کی روشنی میں انسان اپنے حال کا جائزہ لے، اور اپنے مستقبل کو آزمودہ بھلائیوں سے دُرست اور آزمودہ بُرائیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ اِس دفتر میں مختلف نمائندہ شخصیتوں، اداروں، قوموں، اور جماعتوں کے کارنامے ایک مربُوط اور مسلسل طرزِ عمل کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں، جنہیں دیکھ کر ہم اُن کے نفسیات، اُنکی افتادِ مزاج اور ان کی طینت کو سمجھ سکتے ہیں، تاکہ آئندہ ان کے ساتھ ہم ایک اجنبی کی طرح نہیں، بلکہ ایک واقف کار کی طرح معاملہ کرسکیں۔ یہ دفتر اجتماعی زندگی کے لیے مدارج کے اعتبار سے بہت زیادہ، مگر نوعیت کے لحاظ سے وہی اہمیّت رکھتا ہے، جو فردِ واحد کی زندگی میں اس کے حافظے کو حاصل ہے۔ اگر ایک فردِ واحد کا حافظہ اس سے سلب کرلیا جائے تو وہ پے در پے غلطیاں کرے گا، یہاں تک کہ اپنی غلطیوں کا خود شکار ہوکر رہ جائیگا۔

اگر کسی شخص کی گذشتہ زندگی کا ریکارڈ ہمارے سامنے نہ ہو تو ہم اس کے متعلق صحیح رائے قائم نہ کر سکیں گے اور نہ اس کے متعلق اپنے طرزِ عمل کا صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ بالکل یہی صورت جماعتی زندگی کی بھی ہے کہ اگر ہم نوعِ انسانی کے اور خود اپنے اور ان قوموں اور اداروں کے جن سے ہمیں سابقہ پیش آتا ہے، پچھلے ریکارڈ سے واقف نہ ہوں تو ہماری اجتماعی زندگی غلط کاریوں اور غلط اندیشیوں کا مجموعہ بن کر رہ جائے گی۔ اِس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اُس دفترِ پارینہ کے اوراق کا کبھی کبھی نہیں، بلکہ بار بار جائزہ لیتے رہیں۔

لیکن تاریخ کے اس دفتر کا جائزہ لینے کے لیے تین نُقطۂ نظر ممکن ہیں۔ ایک نقطۂ نظر محض معروضی مُطالعہ کا ہے یعنی واقعات اور حالات جیسے کچھ بھی گزرے ہیں اُن کو جُوں کا توُں دیکھا جائے۔ دُوسرا نقطۂ نظر قوم پرستانہ مطالعہ کا ہے یعنی ہم واقعات کو اُس نسل یا قوم، یا اُس ملک کی حمایت کے جذبے سے دیکھیں جس سے ہمارا تعلق ہے۔ اسی لحاظ سے نتائج اخذ کریں اور اسی لحاظ سے اشخاص اور قوم کے متعلق رائے قائم کریں۔ تیسرا نقطۂ نظر مقصدی اور اُصولی ہے یعنی ہم نسلی و قومی تعصبات سے بالاتر ہو کر مجرّد انسانی فلاح و سعادت کو مقصود ٹھہرا کر اور نیک و بد کا ایک بے لاگ معیار سامنے رکھ کر نسلِ انسانی اور اس کے مختلف اجزاء کے کارناموں کو جانچیں اور بے لاگ ہی رائے قائم کریں۔ ان میں سے پہلا نقطۂ نظر خالص مورّخانہ ہے اور اس حیثیت سے مُفید ہے کہ اس طرح کے مطالعہ سے صحیح واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں، مگر بجائے خود مُفید نہیں ہے۔ دُوسرے نقطۂ نظر میں بڑی جاذبیت ہے۔ بلا مُبالغہ تاریخ کے ۹۸ فیصدی طالب علموں کو اس نقطۂ نظر کی جاذبیت اپنی طرف کھینچ لاتی ہے، کیونکہ ہر طالبِ علم بہرحال کسی نہ کسی نسل یا قوم یا ملک سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خودغرضی وُسعت اختیار کر کے بآسانی شخصی خُودغرضی

سے قومی خُود غرضی میں تبدیل ہوجاتی ہے اِس لیے وہ اپنے اور اپنی قوم کے نقطۂ نظر سے تاریخ کا مطالعہ کرنے پر مائل ہوتا ہے اِس میں اُسے فخر و ناز کے لیے چند بُت مِل جاتے ہیں جن کی پرستش کا نشہ اُسے اور اس کی قوم کو اُبھرنے میں مدد دیتا ہے اور اسی میں اس کو نفرت اور عداوت کے لیے چند ہدف بھی مِل جاتے ہیں جن پر اپنے جذباتِ غضب کو مرکوز کرکے وہ قومی وحدت مقابلہ و مسابقت اور کامیابی و برتری کے مقاصد حاصل کرتا ہے لیکن دُنیا میں اکثر جھوٹ اسی مطالعہ کی بنا پر پھیلے ہیں، اکثر ظُلم، اکثر بے انصافیاں، اکثر خُوں ریزیاں اور قومی و نسلی عداوتیں اسی کی بدولت برپا ہوئی ہیں، اکثر بُروں کو اچھا، اکثر شیطانوں کو مرکزِ پرستش اسی مطالعہ نے بنایا ہے۔ اکثر اچھّوں کو بُرا اور اکثر نیکو کاروں کو لعن طعن کا ہدف اسی مُطالعہ کی بدولت ٹھہرایا گیا ہے۔ انسانیت کو مجروح کرنے اور زمین کو فساد سے بھرنے میں تاریخ کے اس طرزِ مُطالعہ کا کچھ کم حصّہ نہیں ہے۔

یہ مرض دُنیا میں ترقی کرکے اس حد تک پھیل گیا ہے کہ اب قومی اغراض کے لیے تاریخیں گھڑی جاتی ہیں۔ جن قوموں کا ماضی کچھ نہ تھا وہ ایک پُورا ماضی اپنی خواہشات کے مُطابق تصنیف کرکے رکھ دیتی ہیں اور جن سے حال میں مُقابلہ درپیش ہے ان کے ماضی کی تصویر کول تار سے منقش کرکے تیار کرلی جاتی ہے، تاکہ نئی نسلوں میں ان کے خلاف بغض پیدا کیا جاسکے۔ رہا تیسری قسم کا مُطالعہ تو وہ یقیناً سب سے بہتر مُطالعہ ہے مگر اس کے صحیح و نتیجہ خیز ہونے کا انحصار دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ بجائے خود انسانی فلاح و سعادت کا تصوّر درُست اور نیک و بد کا معیار صحیح ہو، دوسرے یہ کہ واقعات جن پر استدلال کی عمارت اُٹھائی جاتی ہے، معروضی مطالعے کے ذریعے سے اخذ کیے گئے ہوں، نہ کہ اپنے نظریے کو سامنے رکھ کر ان کو ایک خاص سانچے میں ڈھال لیا گیا ہو۔

اسلام چونکہ کسی خاص قومیت کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک مسلک ہے جو مُطلقاً

انسان اور اُس کی سعادت سے تعلق رکھتا ہے اور ان تعصبات سے اس کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں ہے جو انسانوں کی نسلی، قومی اور جغرافی تقسیمات سے پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا تاریخ میں اس نے یہی آخری رویّہ اختیار کیا ہے۔ اگر ایک مُسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ واقعات کو جیسے وہ فی الواقع گزرے ہیں بلاکسی تعصّب کے جُوں کا تُوں سامنے رکھے اور پھر اسلام نے جو معیارِ حق و باطل اس کو دیا ہے اُسی کے مطابق اشخاص، اقوام و اداروں کے رویّوں کو جانچ کر بے لاگ نتائج اخذ کرے، غلطی جہاں بھی ہو، کوتاہی جہاں بھی پائی جائے اُسے بے تکلّف وہیں اُنگلی رکھ دینی چاہیئے اور کھوج لگانا چاہیئے کہ اس کی پیدائش کے اسباب کیا ہیں اور اُس نے انسانی فلاح وسعادت پر کیا اثر ڈالا ہے کتنا اور کس طرح؟ اسی طرح خوبی جہاں جس میں بھی نظر آئے بے تکلّف اس کا ادراک کرنا چاہیے اور اس کے مُفید نتائج یا غیر نتیجہ خیز رہ جانے کے اسباب کا سُراغ لگانا چاہیئے۔ ٹھیک یہی رویّہ ہے جو قرآن میں سوانحِ اشخاص اور تاریخِ اقوام سے بحث واستدلال کرتے ہوئے اختیار کیا گیا ہے۔

تاریخ کے باب میں یہ اسلام کا مسلک ہے اور مسلمان کا بھی یہی مسلک ہونا چاہیئے۔

ایک مُبصّر کا تاریخ پر مندرجہ بالا تبصرہ "آئینۂ تاریخ" کے لیے موزوں دیباچہ ہے۔

افضل حسین

جنوری ۱۹۶۲ء

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
باب۱ تمہید	۹
دراوڑ۔ آریہ۔	۹
قدیم تاریخ کے ماخذ	۱۲
مسلمان، عرب تاجر، عرب فاتح	۱۵
مبلغین اسلام، ترک فاتح	۱۶
مسلمانوں کے اثرات	۱۷
بھگتی مت	۱۹
مسلمانوں پر مقامی اثرات	۲۱
اہم سنیں مع تاریخی واقعات	۲۳
باب۲ تیمور لنگ کی غارتگری	۲۷
ابتدائی حالات، ہند پر حملہ	۲۹
دہلی میں واپسی اور قحط وغیرہ	۳۲
باب۳ سید خاندان	۳۵
باب۴ لودی خاندان، بہلول لودی	۴۰
باب۵ سکندر لودی	۴۴
سیرت و کردار	۴۵
ابراہیم لودی	۴۸
بابر کا حملہ، پانی پت کی پہلی لڑائی	۴۹
باب۶ آزاد صوبے	۵۲
بہمنی سلطنت۔ محمود گواں	۵۵
جون پور، مالوہ	۵۶
گجرات	۵۷
بنگال، وجے نگر۔	۵۷
باب۷ سیّد محمد جونپوری اور تحریکِ مہدویت	۶۰
علماء و مشائخ کی دلچسپیاں	۶۰
عوام کا حال	۶۲
سیّد محمد جونپوری، ابتدائی حالات	۶۳
قندھار کا سفر، فراہ میں قیام	۶۷
خدمات	۶۸
آپکے بعد۔ عبداللہ خاں نیازی	۶۹
شیخ علائی، خان نیازی پر عتاب	۶۹
باب۸ بابر اور خاندانِ مغلیہ	۷۴
ابتدائی حالات اور سمرقند پر حملہ	۷۵
کابل پر قبضہ	۷۶
جنگ کنواہہ	۷۷

راجپوتوں، افغانوں سے مزید ٹکر ۷۹
وفات، وصیّت نامہ ۸۰
ایک عجیب واقعہ ۸۲
بابر کے اوصاف ۸۳
بابر کے بعد ۸۵
باب۹ شیر شاہ ۸۸
ابتدائی حالات ۸۸
جوانی ۹۰
بہار پر تسلّط ۹۲
بنگال پر قبضہ، ہمایوں سے مقابلہ ۹۲
مُفسدوں کی سرکوبی ۹۶
مملکت کی توسیع ۹۷
استحکام اور نظم و نسق ۹۸
جرائم کی روک تھام ۹۹
عدل و انصاف ۱۰۰
تعمیری کام، بیرونی حملوں سے حفاظت ۱۰۰
سیرت ۱۰۲
شیر شاہ کے جانشین ۱۰۳
ہمایوں کی واپسی ۱۰۶
باب۱۰ اکبر ۱۰۸
پانی پت کی دُوسری لڑائی ۱۰۹
بیرم خاں کا زوال ۱۱۰
ازبک سرداروں کی بغاوت ۱۱۲
راجپوتوں سے تعلق ۱۱۴
فتوحات، گجرات، بنگال، دکن ۱۱۵
کابل و قندھار، کشمیر، سندھ ۱۱۶
ابتدائی مذہبی معتقدات ۱۱۹
تبدیلی اور اُس کے اسباب ۱۲۲
مخدوم الملک اور صدر الصّدور ۱۲۷
مُلّا مبارک اور ان کے بیٹے ۱۳۳
مخالفت اور ابوالفضل کا قتل ۱۳۷
اکبر کی وفات ۱۳۹
باب۱۱ جہاں گیر ۱۴۱
نور جہاں ۱۴۳
یُورپ کی تجارتی کمپنیاں ۱۴۶
خُرّم اور مہابت خاں کی بغاوت ۱۴۸
باب۱۲ اکبری دَور کے علمائے حق ۱۵۳
باب۱۳ شاہ جہاں ۱۶۲
باب۱۴ اورنگ زیب ۱۶۹
باب۱۵ مُسلمانوں کی خدمات ۱۸۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ تاریخ حصّۂ دوم

باب ۱ تمہید

اللہ کا شکر ہے تم نے آئینۂ تاریخ حصّہ اوّل ختم کرلی۔ اس کے مُطالعہ سے تمُہیں ۱۳۸۵ھ تک کے اہم واقعات اختصار سے معلوم ہوگئے۔ تم نے دیکھ لیا کہ اس ملک کے حقیقی مالک "اللہ" نے مختلف ادوار میں مختلف گروہوں کو یہاں کام کا موقعہ دیا۔ سب سے پہلے اس سرزمین کے وارث یہاں کے اصل باشندے ہوئے۔ وہ مُدّتوں اس ملک کے وسائل و ذرائع سے فائدہ اُٹھاتے رہے، اپنے علم اور اپنی صلاحیت کے مُطابق اسے بنایا سنوارا، خلقِ خُدا کو اپنی کوششوں سے فائدہ پہنچایا۔ لیکن رفتہ رفتہ ایسے لوگ اُن کے جانشین ہوئے جن میں وہ صلاحیتیں باقی نہ رہیں۔ وہ اپنی ہم عصر بیرونی قوموں کے مقابلے میں علمی، عملی، ذہنی اور اخلاقی حیثیت سے بہت پست ہوگئے۔ جب اُن سے کسی بناؤ کی توقع نہ رہی تو اللہ تعالیٰ نے مہلت کی مدّت ختم کرکے انہیں اپنی اس سرزمین سے بے دخل کردیا اور ان کی جگہ باہر کی ان قوموں کو یہاں کام کرنے کا موقعہ دیا جو نسبتاً بہتر صلاحیتوں کی مالک تھیں۔

دراوڑ باہر سے آنے والوں میں دراوڑ خاص تھے۔ وہ اِس ملک کے بیشتر حِصّوں

بس پھیل گئے ۔ یہاں کے وسائل و ذرائع پر قبضہ کیا اور ایک زبردست تمدّن کی بنیاد ڈالی جس پر ہڑپہ، موہن جوڈرو، اور جنوبی ہند کے بعض مقامات کے آثار اور کھنڈرات اب تک گواہ ہیں۔ دراوڑ مدّتوں اس ملک پر قابض رہے۔ اللہ نے انہیں اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازا، مگر رفتہ رفتہ ان کے جانشین بھی عیش و عشرت میں پھنس گئے اور کُفرانِ نعمت کرنے لگے۔ اُنہوں نے اللہ کے ساتھ متعدد دیوی دیوتاؤں کو شریک کرنا شروع کر دیا، جادُو ٹونے اور جھو منتر کا عام رواج ہوگیا، توہم پرستی نے وحشیانہ مظالم پر آمادہ کیا، دیوی دیوتاؤں وغیرہ پر انسانوں کی محترم جانیں تک قُربان کی جانے لگیں، غریبوں اور مجبوروں پر زیادتی ہونے لگی، بناؤ سے کہیں زیادہ بگاڑ شروع ہوا۔ غرض اللہ تعالیٰ کی یہ بنائی سنواری سرزمین مجموعی طور پر فتنہ و فساد سے بھر گئی۔ نتیجہ میں اللہ کا قہر و غضب ٹوٹ پڑا۔ کیوں نہ ہو وہ تو خلق کی نفع رسانی کو پسند کرتا ہے۔ اس صورتِ حال کے باوجود مزید مہلت دینا اس کی شانِ عدل کے خلاف ہوتا۔ چنانچہ اُس نے آریہ نامی ایک بیرونی قوم کو ان پر مُسلّط کر دیا، جس نے اُن کی شاندار بستیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اُن کے عالی شان محلوں اور مضبُوط قلعوں کو مسمار کر کے رکھ دیا۔ کتنے تو تہِ تیغ ہوئے، کتنوں نے بھاگ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لی، کتنے نوکر چاکر اور غلام بنا لیے گئے۔ ظالم اور نافرمان لوگوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔

آریہ آریہ مجموعی طور پر نہایت شریف، بہادر اور با اُصول لوگ تھے۔ صلاحیت کے اعتبار سے اس وقت کی کوئی قوم بھی ان کے ہم پلّہ نہ تھی۔ چنانچہ

مالکُ الملک نے انہیں ہمارے ملک کے انتظام کا موقع دیا۔ ان لوگوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لیا۔ مدّتوں اس ملک کی خدمت کرتے رہے، اسے بنایا، سنوارا، جنگلات صاف کرکے بہت سا حصّہ قابلِ کاشت بنایا، علوم و فنون کو ترقی دی، رہن سہن اور اخلاق و معاشرت میں اصلاح کی، یہاں کے وسائل و ذرائع کو بہتری کے کاموں میں استعمال کیا۔ اللہ نے مدّتوں انہیں اپنی رحمتوں سے نوازا، بہترین صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کا موقع دیا۔ ملک کو ان کی خدمات سے بہت فائدہ پہنچا مگر رفتہ رفتہ وہ بھی بگڑنے لگے۔ آپس کی نااتفاقیوں نے خانہ جنگی کی شکل اختیار کی، اجتماعی نظم ڈھیلا پڑ گیا، اِقتدار کے نشے میں بے اعتدالیاں شروع ہوئیں، پاکیزہ اُصولوں سے انحراف ہونے لگا۔ نتیجے میں اخلاق پست ہوگئے، اعمال و عقائد میں مقامی رنگ غالب آنے لگا اور وہ ساری خرابیاں ان میں بھی جڑ پکڑنے لگیں جو ان سے پہلے کی قوموں میں پائی جاتی تھیں۔ علم کے دروازے عوام پر بند کر دیے گئے جس سے عوام جہالت اور توہمات میں پھنس گئے۔ ذات پات، چھوت چھات، اُونچ نیچ، کی لعنت نے سماج کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے رکھ دیا۔ لوگوں کے دل آپس میں پھٹ گئے، سارے پاکیزہ اُصول ذاتی و گروہی مفاد پر بھینٹ چڑھائے جانے لگے، ایسے ضابطے گھڑے گئے جن سے غریبوں کی گاڑھی کمائی پر خود غرض لوگوں کے بعض طبقات دادِ عیش دینے لگے، اور لاکھوں بندگانِ خُدا کی زندگیاں اجیرن ہی نہیں بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہوگئیں۔ عورتوں اور نچلے طبقے کے عوام کو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا۔ قانون کی رُو سے انسانوں کے مابین نُمایاں فرق کیا جانے لگا۔ بیوہ عورتیں اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جل جانے (ستی) پر مجبُور ہونے لگیں۔

نتیجے میں باہمی منافرت، فتنہ و فساد، خانہ جنگیاں، اندرونی شورشیں، بیرونی حملے، غرض چونکا دینے والے متعدد واقعات ہوئے۔ چنانچہ بہت سے درد مند اُٹھے، اصلاحِ حال کی کوشش کی۔ جب تک ان کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا رہا، انہیں برابر مہلت ملتی رہی۔ مگر رفتہ رفتہ جب بگاڑ بڑھتا ہی گیا اور تعمیری صلاحیتیں دن بدن گھٹتی ہی گئیں، کوششوں نے غلط رُخ اختیار کر لیا اور مجموعی طور پر بناؤ کے کام کم اور بگاڑ کے کام زیادہ ہونے لگے اور مستقبل قریب میں کسی بہتری کی اُن سے توقع نہ رہی تو اپنے اٹل دستور کے مُطابق مالکِ کائنات نے اِس ملک کا انتظام ان سے چھین لیا، اور عرب نیز وسطِ ایشیا کی ان قوموں کو یہاں کام کا موقع دیا جو اسلام سے متاثر ہوکر بہتر صلاحیتوں کی مالک ہوگئی تھیں۔

قدیم تاریخ کے ماخذ

مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں باقاعدہ تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا اِس لیے اس دَور کی تاریخ مرتب کرنے میں بے حد دشواریاں پیش آتی ہیں۔ جن ذرائع پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) مذہبی کتب:۔ برہمنی مت، بُدھ مت، اور جین مت کی مذہبی کتابیں مثلاً برہمنی مت کی وید، پُران، اُپنشد، رامائن، مہابھارت، منوسمرتی، اور بُدھ مت کی ترپٹک وغیرہ۔ یہ عموماً سنسکرت یا پالی زبان میں ہیں۔ ان کُتب سے بعض ادوار اور بعض گروہوں کے عقائد، مذہبی رسم و رواج اور بعض مشہور شخصیتوں کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ لیکن ان شخصیتوں کو عموماً اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ان کی تاریخی حیثیت مشتبہ ہو جاتی ہے اور قصّے کہانیوں سے زیادہ اُن کی

وقعت نہیں رہ جاتی۔ کہیں کہیں ایسے اشارات ملتے ہیں جن سے ان کے سیاسی و معاشرتی حالات بھی سامنے آتے ہیں۔ لوگ کیسے رہتے سہتے تھے، کیا کھاتے پیتے تھے، حکومت کا نظام کس طرح چلاتے تھے، جرائم کی سزا کے لیے کیا ضابطے تھے وغیرہ۔

۲۔ کتبات:۔ چٹانوں، پتھر کی سِلوں، لاٹھوں یا کھمبوں اور تانبے کے پتروں پر کندہ بعض چیزیں دستیاب ہوئی ہیں، مثلاً اشوک کی کندہ کرائی ہوئی بُدھ مت کی تعلیمات یا الہ آباد کے قلعہ میں ایک لاٹھ پر سمندر گپت کے کارنامے وغیرہ۔ ان سے بعض مذہبی پیشواؤں کی تعلیمات اور بعض راجاؤں کے کارنامے وغیرہ سامنے آتے ہیں لیکن کارنامے کچھ ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیے گئے ہیں کہ اصل واقعات کا پتہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔

۳۔ سِکّے:۔ کہیں کہیں پُرانے زمانے کے سِکّے دستیاب ہوئے ہیں اُن کی مدد سے بعض راجاؤں یا اُن کے خاندان کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ وہ کب ہوئے ہیں اور اُن کی سلطنت کی وُسعت کیا تھی، اس کا بھی اندازہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کنشک وغیرہ کے حالات کا ان سِکّوں ہی سے اندازہ لگایا گیا ہے۔ مگر کسی مقام پر سکّے دریافت ہو جانے سے تو کسی راجہ کی سلطنت کی وسعت کا اندازہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ قدیم دَور میں تجارتی مقاصد کے لیے ایک مُلک کا سِکّہ دوسرے ملک میں بھی چلا کرتا تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ خلفائے راشدین کے دَور تک رومی سِکّہ مسلم مملکت میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

۴۔ کھنڈرات:۔ بعض مقامات پر قدیم عمارتوں کے کھنڈر ملتے ہیں

یا کھُدائی کے بعد زمین کی تہوں سے کچھ آثار برآمد ہُوئے ہیں، ان کی مدد سے بھی بعض اَدوار کی مذہبی اور معاشرتی حالت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نیز فنِ تعمیر اور مختلف دستکاریوں میں ترقی کا پتہ چلتا ہے، مثلاً ہڑپّہ اور موہن جودڑو کی کھدائیوں نے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

۵۔ تذکرے:۔ بعض علاقے کے راجاؤں نے اپنے قصیدہ خواں درباریوں کے ذریعے اپنے یا اپنے خاندان کے کچھ کارنامے تحریر کرائے تھے، جن میں سے کچھ زمانے کی دستبرد سے بچ کر ہم تک پہنچ گئے ہیں۔ مگر اوّل تو یہ چند ہی ہیں وہ بھی کسی مخصوص علاقے کے، نیز واقعات بیان کرنے میں اتنی رنگ آمیزی کی گئی ہے کہ اصلیت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہوجاتا ہے، مثلاً ہَرش چرتر، پرتھوی راج راسو، یا کشمیر کے راجاؤں کے بارے میں راج ترنگنی۔

۶۔ سفرنامے:۔ چینی سیّاح فاہیان اور ہوانگ سانگ، یُونانی سیّاح میگستھینز اور مسلمان سیّاح البیرونی، ابن بطوطہ وغیرہ نے ہندوستان کی سیاحت کے بعد اپنے سفرنامے مرتّب کیے ہیں جن سے بعض ادوار اور علاقوں کی حالت پر روشنی پڑتی ہے مگر اول تو ان کی زبان جُدا تھی دُوسرے اُن کی رسائی صرف مخصوص حلقوں تک ہوسکی تھی، اِس لیے اُن کی تحریروں پر بھی کچھ زیادہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

اِن دشواریوں کے ہوتے ہوئے ہمارے ملک کی پُرانی تاریخ جیسی کچھ مرتّب ہوسکتی ہے ظاہر ہے، اکثر قیاس ہی سے کام چلانا پڑتا ہے بہرحال ایک مؤرّخ اُن سے جس حد تک استفادہ کرسکتا ہے، اس کا ایک سرسری خاکہ پچھلی کتاب میں تمہاری نظر سے گزُر چکا۔ مسلمانوں کے دَور کی تاریخ مرتّب کرنا آسان ہے

اس لیے ان کے حالات قدرے تفصیل سے بتائے گئے ہیں۔

مُسلمان ابتدائی چند صدیوں میں جو مسلمان یہاں باہر سے آئے وہ چار طرح کے لوگ تھے۔

۱۔ عرب تاجر۔ ۲۔ عرب فاتح۔ ۳۔ مبلّغینِ اسلام۔ ۴۔ تُرک فاتح۔

مسلمان ہونے کے باوجود یہ چاروں گروہ الگ الگ خصُوصیات اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ چنانچہ اپنی مخصُوص صلاحیتوں کے اعتبار سے اُنھوں نے اس ملک کی خدمت انجام دی اور ہندوستانی سماج پر اپنی مخصوص صفات کا پرتو ڈالا۔

۱۔ عرب تاجر:۔ ہندوستان سے عربوں کے تجارتی تعلقات بہت پہلے سے چلے آرہے تھے۔ اسلام لانے کے بعد عرب تاجر زیادہ ایماندار، خوش اخلاق اور بااُصول ہوگئے تھے۔ ان کی امانت و دیانت اور پرہیزگاری و حُسنِ سلوک نے جہاں اُن کی تجارت کو فروغ دیا، وہیں ان صفات کی وجہ سے ہر وہ شخص اسلام سے متاثر ہوا جس سے ان لوگوں کا سابقہ پڑا۔ تجارت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ دینِ حق کی اشاعت، بھلائیوں کے پھیلانے اور بُرائیوں کے مٹانے کی بھی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے ملک کے سواحل خصُوصًا جنوبی مغربی ساحل کے باشندوں پر ان کی کوششوں کا زبردست اثر پڑا۔ آج بھی ان کے اثرات ان حصّوں میں نمایاں ہیں۔

۲۔ عرب فاتح:۔ ۷۱۲ء میں عرب فاتحین اس مُلک میں داخل ہوئے اور دیکھتے دیکھتے سندھ اور بلوچستان اور پنجاب کے بہت سے حصے پر پھیل گئے۔ محمد بن قاسم کے واپس بُلالیے جانے کے بعد گرچہ یہ پھیلاؤ رُک گیا مگر جو حصّہ

فتح ہوچکا تھا اس پر ان کا مدتوں قبضہ رہا۔ عربوں میں چند نمایاں خوبیاں ایسی تھیں جنہوں نے مقبوضہ علاقے کے لوگوں کو بیحد متاثر کیا۔

یہ لوگ عموماً ایماندار، خُدا ترس، اور دین کی بنیادی تعلیمات کے پابند تھے۔ عدل و انصاف کا پُورا لحاظ رکھتے تھے۔ فراخدل، بات کے دھنی اور وفادار تھے۔ عیش وعشرت سے دُور نہایت سادہ اور رحمدل لوگ تھے۔ اپنا پُورا نظام مشورے سے چلاتے تھے، مقامی باشندے اُن کے حُسنِ اخلاق سے بیحد متاثر ہوئے، عربوں نے اُن کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا اور ان کے دل جیت لیے۔ چنانچہ ان سے متاثر ہوکر بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۳۔ مبلّغینِ اسلام :۔ اللہ کے کتنے صالح بندے صرف دین کی اشاعت کے لیے اس ملک میں تشریف لائے مثلاً حضرت معین الدین چشتیؒ، شمس تبریزؒ، بابا فریدؒ اور ان کے ساتھی و جانشین وغیرہ۔ ان بزرگوں نے دین کی خاطر بہت دُکھ جھیلے، ایک اجنبی ملک میں رہے سہے، دین کی اشاعت کے لیے ان تھک کوششیں کیں۔ ان کے اعلیٰ اوصاف، ان کے تقویٰ و پرہیز گاری، ان کی رُوحانی برکتوں سے لاتعداد لوگوں کو دینِ حق کا سیدھا سچّا راستہ مِلا۔ لوگوں کو توہمات اور گمراہیوں سے نجات مِلی، ان کے اخلاق و عادات درست ہوئے اور اسلام کے لیے بہت سے لوگوں کے دِل کھُل گئے۔ اُن بزرگوں پر اللہ کی رحمت ہو۔

۴۔ تُرک فاتح :۔ عربوں کی تگ و دَو زیادہ تر ہمارے ملک کے جنوبی مغربی سواحل۔ اور ان علاقوں تک محدُود رہی جو آج کل پاکستان میں

شامل ہیں۔ اندرونِ ملک کا بیشتر حصہ ان کی دستبرد سے باہر تھا۔ ترکوں نے جدوجہد کرکے دہلی کے تخت پر قبضہ کرلیا اور قلیل مدت میں ملک کے بیشتر حصے پر چھاگئے۔ اُنہوں نے اپنے حسنِ انتظام سے نہ صرف اندرونِ ملک میں امن وامان قائم کیا بلکہ اپنی جان پر کھیل کر ملک کو ان بیرونی حملوں سے بھی محفوظ رکھا جو تاتاریوں اور منگولوں کی طرف سے برابر ہورہے تھے اور جنہوں نے دنیا کے بیشتر ممالک میں تہلکہ مچا رکھا تھا اور سلطنت بغداد کی تو اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ ترکوں کا یہ وہ کارنامہ ہے جسے ہمارا ملک کبھی نہیں بھلا سکتا۔ اُنہوں نے اِن ظالموں کے منہ پھیر دیئے ورنہ وسطِ ایشیا کے دوسرے ممالک کی طرح ہمارے ملک کو بھی ان ظالموں نے تاراج کر دیا ہوتا۔ ترک بڑے بہادر، جفاکش، مستقل مزاج اور منتظم تھے۔ ان میں قیادت کی بھی اچھی صلاحیت تھی مگر بحیثیت مجموعی اسلام کی پیروی اور اعلیٰ اخلاق میں یہ لوگ عربوں سے فروتر تھے پھر بھی اِس ملک میں ایک شاندار مسلم مملکت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے مختلف خاندان کم وبیش دو سو سال تک اس کی خدمت کرتے رہے اور اس سرزمین پر اپنے گہرے نقوش ثبت کر گئے۔

مُسلمانوں کے اثرات

مُسلمانوں کے جن مختلف گروہوں کا اُوپر تذکرہ ہوا انہوں نے اپنی اپنی صلاحیتوں اور خصوصیات کے مطابق یہاں کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی زندگی پر اثر ڈالا۔ پُورا ملک چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا ہر ایک کی الگ حکومت تھی۔ اور اُن کے فرماں روا آئے دن آپس میں لڑا کرتے تھے جس سے انتشار اور طوائف الملوکی کا دَور دَورہ تھا۔ ترکوں نے

امن و امان قائم کیا اور سب کو ایک ہی لڑی میں پرو کر پُورے ملک کی وحدت کا تصوّر دیا، مہذب عادات و اطوار سکھائے، معاشرتی خرابیوں کی اصلاح کی، توہمات سے نجات دلائی، بھائی چارہ اور مساوات کا درس دیا عدل و انصاف کے نادر نمونے قائم کیے، ایک ایسی زبان کی داغ بیل ڈالی جو پُورے ملک میں بولی اور سمجھی جاسکے۔ مختلف علوم و فنون اور دستکاریوں کو ترقی دی، رفاہِ عامّہ کے متعدد کام کیے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی انفرادیت کو بڑی حد تک برقرار رکھتے ہوئے یہاں کے باشندوں کی خاصی تعداد کو دینِ حق سے روشناس کرانے کا ذریعہ بنے، جب کہ ان سے پہلے چھوٹی بڑی جتنی قومیں بھی باہر سے آئیں وہ بہت جلد اپنی انفرادی خصوصیات کھو کر یہیں کے رنگ میں رنگ گئیں اور اس سرزمین نے رفتہ رفتہ سب کو اپنے اندر جذب کر لیا۔

دینِ حق کے ساتھ اہلِ ہند کا رویّہ

کچھ تو ملک کی غیر معمولی وسعت اور کچھ مُسلمانوں کی غفلت اور عملی کوتاہیوں کے باعث یہاں کی کثیر آبادی دینِ حق سے بخوبی روشناس ہی نہ ہوسکی۔ البتہ جو لوگ کسی درجہ میں رُوشناس ہوئے اِن میں سے۔

۱۔ ایک خاصی تعداد اسلام کے سادہ سچّے اور عملی اُصولوں سے متاثر ہو کر اور اسے قبول کر کے مُسلم سماج کا جُز بن گئی۔

۲۔ کچھ لوگ اپنے آبائی مت سے لگاؤ کے باعث حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور اپنی پُرانی ڈگر پر چلتے رہے۔

۳۔ کچھ لوگ اسلام کی بنیادی تعلیم اور اس کی خوبیوں سے متاثر تو ضرور ہوئے مگر جرأت کی کمی اور بعض دُوسری مصلحتوں کے باعث پورے دین کو اپنا کر اپنے سماج

کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ اپنے آبائی مت میں اسلام کی بہت سی باتیں شامل کر کے ایک نیا مت چلایا، جسے بھگتی مت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

بھگتی مت بھگتی مت کے معنی خدا پرستی کا مذہب۔ اس مت کے علم برداروں میں رامانج، رامانند، کبیر، چیتنیہ اور گرو نانک بہت مشہور ہوئے ہیں۔ رامانج نے جنوبی ہند میں اور رامانند اور اُن کے شاگرد کبیر داس نے شمالی ہند میں، چیتنیہ نے بنگال میں اور گرو نانک نے پنجاب میں اس مت کی اشاعت کی۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے یہاں شرک و بت پرستی عام تھی۔ مسلمانوں کے عقیدۂ توحید سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے بت پرستی کے خلاف سخت آواز اٹھائی اور اسے انتہائی مضحکہ خیز بتایا اور ایک خدا کی پرستش ہی کو نجات کا ذریعہ قرار دیا۔ اسی طرح سماج کا پورا ڈھانچہ، ذات پات اور چھوت چھات کی بنیاد پر قائم تھا۔ لوگ محض اپنی نسل یا پیدائش کی بنیاد پر معزز یا ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ ان لوگوں نے اس کے خلاف بھی آواز بلند کی اور اپنے پیروؤں میں ہر ذات کے افراد کو شریک کر کے ذات پات کے اثر کو عملاً ضائع کرنے کی کوشش کی۔ تعصب اور تنگ نظری کی وجہ سے اکثر لوگ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے جلتے اور اُن کے وجود کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اُنھوں نے اس تنگ نظری کو بھی دور کرنے اور رواداری سکھانے کی کوشش کی۔ اس مت کے علم برداروں میں اگرچہ بعض بنیادی اختلافات تھے مگر مندرجہ ذیل امور میں تقریباً ان سب کا اتفاق تھا۔

۱۔ ایک خدا پر یقین۔

۲۔ خدا پرستی ہی سے نجات حاصل ہو سکتی ہے، بت پرستی غلط ہے۔

۳۔سارے انسان خُدا کے پیدا کیے ہُوئے ہیں اِس لیے ذات پات کی بنیاد پر
ان میں فرق کرنا غلط ہے۔
۴۔سارے اِنسان آپس میں بھائی بھائی اور برابر ہیں۔
۵۔اپنے گُرو سے غیر معمولی عقیدت ہونی چاہیئے۔
۶۔گُرو وہ ہے جو دل کے شکوک مٹا کر خُدا تک پہنچنے کا راستہ دکھائے۔
۷۔تمام مذاہب خُدا کو پہچاننے کے ذرائع ہیں اس لیے سب سچّے ہیں۔
۸۔مذاہب بظاہر مختلف نظر آتے ہیں لیکن سب کی منزل ایک ہے یعنی خُدا
تک پہنچنا یا نجات حاصل کرنا۔
۹۔ دل کو بُرے خیالات اور بُرے اعمال سے پاک رکھنا چاہیئے تب ہی خُدا اُس میں بستا ہے۔
حسد، کینہ، بغض وغیرہ سے دل میں گندگی پیدا ہوتی ہے اس لیے خُدا سے دوری ہو جاتی ہے۔

بھگتی مت کے اثرات

اِس مت کا اثر یہ ہوا کہ :۔۱۔بُت پرستی کا زور گھٹا۔
۲۔ ذات پات کے بند کچھ ڈھیلے ہوئے۔
۳۔اپنے مخالف عقیدے کے لوگوں کے خلاف رویّے میں کچھ نرمی پیدا ہوئی۔
۴۔ علاقائی زبانوں میں پرچار کی وجہ سے ان زبانوں کو فروغ ہوا۔
۵۔ غیر مُسلموں کو مختلف رسُوم اور توہمات سے چھٹکارا ملا۔
۶۔ گُروؤں سے غیر معمولی عقیدت نے خُدا پرستی کی جگہ گُرو پرستی کی شکل اختیار کرلی
۷۔ رواداری کا غلط مفہوم رائج ہوا اور باہم متضاد اور مخالف باتوں میں سے
ہر ایک کو صحیح قرار دینا رواداری کہلایا۔
۸۔"تمام مذاہب سچے ہیں" اِس اصول کی اشاعت نے سیدھا اور

راستہ تلاش کرنے کی ضرورت کے احساس کو بہت گھٹا دیا، چنانچہ دینِ حق کی اشاعت میں اس سے کافی رُکاوٹ پیدا ہوئی۔

۵ ۔ بعض جاہل اور دین سے ناواقف مُسلمان بھی وحدتِ ادیان کا شکار رہوئے اور تمام مذاہب کو ایک جیسا شمار کرنے لگے، حالانکہ دینِ حق تو ایک ہی ہو سکتا ہے اور مخالف سمتوں کو جانے والے راستوں پر چل کر لوگ کبھی بھی ایک مقام پر نہیں پہنچ سکتے۔ اِسی طرح رام رحیم اور قرآن پُران کو بھی ایک ہی ماننے لگے جب کہ اِن کے تصوّرات اور ان کی تعلیمات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مُسلمانوں پر مقامی اثرات اور اُن میں بگاڑ

تُرک فاتح اور وہ مُسلمان جو وسط ایشیا سے ہندوستان آئے، اسلامی نقطۂ نظر سے اُن کی اکثریت ویسی نہ تھی جیسے عرب تھے۔ ان میں متعدد عملی اور اخلاقی کوتاہیاں پہلے ہی سے موجود تھیں۔ یہاں آنے کے بعد کچھ تو حکومت کے نشے اور کچھ مقامی اثرات سے رفتہ رفتہ ان کی آئندہ نسلوں میں بعض اور خامیاں بھی پیدا ہوئیں مثلاً:

۱۔ شادی بیاہ، پیدائش وفات اور تیوہار و تقاریب میں مقامی اثرات سے بعض ایسے رسوم رائج ہوئے جن کی اسلام میں قطعی کوئی گنجائش نہ تھی۔

۲۔ دولت و تنعّم نے عیش و عشرت میں مُبتلا کیا اور سادگی و جفاکشی رفتہ رفتہ رُخصت ہونے لگی۔

۳۔ اقتدار کے نشے میں بعض زیادتیاں بھی ہونے لگیں۔

۴۔ بعض حکمرانوں کی من مانی اور مطلق العنانی نے سلطنت کے اُمراء و اعیان

کی ہمدردیاں کھودیں اور اُن میں وفاداری اور جاں نثاری کی جگہ خود غرضی اور بیوفائی پیدا ہوئی۔

۵۔ جانشینوں میں تخت کے حصول کے لیے سازشیں اور خانہ جنگیاں شروع ہوئیں جس کے نتیجے میں مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوا اور وہ ایکا نہ رہا جو نظمِ مملکت کو چلانے کے لیے ضروری ہے۔

۶۔ ذات پات کے فرق و امتیاز نے مسلمانوں پر بھی تھوڑا بہت اثر ڈالنا شروع کیا اور مساوات و بھائی چارہ کی جگہ کسی حد تک وہ بھی اس کا شکار ہوئے۔

۷۔ بزرگانِ دین جن کی اَن تھک کوششوں سے لاکھوں بندگانِ خُدا کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی تھی اور جن کے فیضِ صحبت اور جن کی تعلیم و تربیت سے لاتعداد افراد کی سیرتیں سنوریں اور اخلاق دُرست ہوئے تھے اُن کے جانشینوں میں رفتہ رفتہ تن آسانیاں اور طرح طرح کی خامیاں پیدا ہوگئیں۔ اب اُن کے سامنے نہ تو دین کی اشاعت رہی اور نہ لوگوں کی تربیت بلکہ اپنے بزرگوں کے نام و نشان، ان کی خانقاہوں اور مزارات کو صرف مالی منفعت اور بعض جگہ تو بدعات اور خلافِ اسلام باتوں کی اشاعت کا ذریعہ بنالیا گیا۔

اِن خرابیوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ مسلمان دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے گرنے لگے۔ کچھ لوگوں کو اصلاحِ حال کی فکر ہوئی جن میں محمد تغلق پیش پیش تھا۔ مگر رفتہ رفتہ بگاڑ اتنا آچکا تھا کہ اُسے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی کیونکہ اس کی اصلاحی کوششوں کو ناکام بنانے اور اُسے بدنام کرنے میں خود اُس کے اُمراء اور اس دَور کے بعض علماء و مشائخ پیش پیش رہے۔ محمد تغلق نے تھوڑا بہت بند باندھا تھا۔ اس

کے مرنے کے بعد وہ بھی ٹوٹ گیا اور بگاڑ کے اثرات دِن بدن نمایاں ہونے لگے یہاں تک کہ مسلمانوں کی آنکھ کھولنے کے لیے تیمور کا حملہ ہوا جس نے دہلی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

اہم سنیں معہ تاریخی واقعات

۳۰۰۰ قبل مسیح	ہڑپہ، موہن جودڑو کی تہذیب کا عُروج
۲۵۰۰ ق۔م	آریوں کے ہند پر ابتدائی حملے، ہڑپہ، موہن جودڑو کی تباہی
۱۲۰۰ ق۔م	ہندوستان کے مختلف حصّوں پر آریوں کی حُکومتوں کا قیام
۱۰۰۰ ق۔م	دَورِ شجاعت، رامائن و مہابھارت کا زمانہ
۶۲۳ ق۔م	بُدھ مت کے بانی گوتم بُدھ کی پیدائش
۵۹۹ ق۔م	جین مت کے بانی مہابیر کی پیدائش
۵۴۳ ق۔م	گوتم بُدھ کی وفات
۵۲۷ ق۔م	مہابیر کی وفات
۳۲۷ ق۔م	سکندر یونانی کا ہند پر حملہ
۳۲۱ ق۔م	چندر گپت موریہ نے موریہ خاندان کی حکومت قائم کی۔
۳۰۵ ق۔م	سیلوکس یونانی کا چندر گپت پر حملہ اور شکست کھانا۔
	میگستھنیز یونانی سیّاح کا چندر گپت کے دربار میں آنا۔
۲۷۲ ق۔م	اشوک کی تخت نشینی اپنے متعدد بھائیوں کو قتل کر کے۔
۲۶۱ ق۔م	اشوک کا کالنگ پر حملہ اور زبردست خونریزی کے نتیجے میں بُدھ مت

قبول کرنا۔

سنہ		واقعہ
۲۳۲	قبل مسیح	اشوک کی وفات
		حضرت عیسیٰ کی پیدائش
۱۲۰	ء	کنشک کی تخت نشینی
۱۴۹	ء	کنشک کی وفات
۳۲۰	ء	چندرگپت نے گپتا خاندان کی حکومت قائم کی۔
۳۳۵	ء	چندرگپت کی وفات اور سمندرگپت کی تخت نشینی
۳۷۵	ء	سمندرگپت کی وفات اور بکرمادتیہ کی تخت نشینی
۴۰۵ - ۴۱۱	ء	چینی سیاح فاہیان ہندوستان میں
۴۱۳	ء	بکرمادتیہ کی وفات
۵۷۱	ء	حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش
۶۱۰	ء	" " " کو نبوّت ملی
۶۲۲	ء	" " " نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی۔
۶۳۲	ء	" " " کی وفات
۶۰۶-۶۴۷	ء	ہرش وردھن
۶۲۰-۶۴۵	ء	چینی سیاح ہوانگ سانگ ہندوستان میں
۶۳۴	ء	حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اوّل کی وفات
۶۴۵	ء	حضرت عمرؓ کی شہادت
۶۵۶	ء	حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم کی شہادت

۶۶۱	ء	حضرت علی رضہ خلیفۂ چہارم کی شہادت
۷۱۱	ء	اسپین اور پرتگال پر طارق بن زیاد کا حملہ اور فتح
۷۱۲	ء	سندھ پر محمد بن قاسم کا حملہ اور فتح
۹۹۷	ء	محمود غزنوی کی تخت نشینی
۱۰۲۵	ء	محمود غزنوی کا سومنات پر حملہ
۱۰۳۰	ء	محمود غزنوی کی وفات
۱۱۹۲	ء	محمد غوری اور پرتھوی راج کی ترائن میں جنگ
۱۲۰۶	ء	دہلی کی سلطنت پر مسلمانوں کا قبضہ۔ قطب الدین ایبک پہلا غلام بادشاہ
۱۲۱۰	ء	قطب الدین کی وفات اور التمش کی تخت نشینی
۱۲۲۸	ء	خلیفۂ وقت کی طرف سے وفد کا سند اور خلعت لے کر دہلی آنا۔
۱۲۳۶	ء	التمش اور خواجہ معین الدین چشتی رح کی وفات
۱۲۴۶	ء	سلطان ناصر الدین کی تخت نشینی اور بلبن کی وزارت
۱۲۵۹	ء	ہلاکو خاں کی طرف سے دہلی میں سفیروں کی آمد
۱۲۶۶	ء	ناصر الدین کی وفات اور بلبن کی تخت نشینی
۱۲۸۵	ء	شہزادہ محمد کا مغلوں کے ہاتھ شہید ہونا۔
۱۲۸۶	ء	بلبن کی وفات
۱۲۹۰	ء	جلال الدین خلجی کی تخت نشینی اور خلجی خاندان کی سلطنت کی ابتدا
۱۲۹۵	ء	جلال الدین کو روزے کی حالت میں قتل کرکے علاؤالدین تخت نشین ہوا۔

۱۳۱۶	ء	علاؤالدین کی وفات ، مبارک خلجی تخت نشین ۔
۱۳۲۰	ء	خلجی خاندان کا خاتمہ ، غیاث الدین تغلق تخت نشین
۱۳۲۵	ء	غیاث الدین ، حضرت نظام الدین اولیاء ، امیر خسروؒ کی وفات ۔
۱۳۳۳-۴۲ء		ابن بطوطہ دربار دہلی میں
۱۳۵۱	ء	محمد تغلق کی وفات اور فیروز تغلق کی تخت نشینی
۱۳۸۷	ء	فیروز تغلق کی وفات

۱۔ دروآڑ کون تھے ؟ انہوں نے ملک کی کیا خدمات انجام دیں ؟ بعد میں اُن میں کیا خرابیاں پیدا ہوئیں ، نتیجہ کیا ہوا ؟

۲۔ آریوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟ اُن کی خوبیوں اور خدمات پر روشنی ڈالو۔

۳۔ آریوں میں آگے چل کر کیا کیا خرابیاں رُونما ہوئیں ؟ اُس کا نتیجہ کیا ہوا ؟

۴۔ قدیم تاریخ کے کون کون سے ماخذ ہیں ؟ ان پر کہاں تک بھروسہ کیا جا سکتا ہے ؟

۵۔ باہر سے آنے والے مُسلمان کِس کِس طرح کے لوگ تھے ؟

۶۔ عرب تاجروں اور عرب فاتحین کے اوصاف اور خدمات پر روشنی ڈالو۔

۷۔ مُبلّغینِ اسلام نے مُلک کو کیا فیض پہنچایا ؟

۸۔ تُرک فاتحین کا عرب فاتحین سے موازنہ کرو۔

۹۔ ابتدائی دَور کے مسلمانوں نے یہاں کے باشندوں پر کیا اثرات ڈالے ؟

۱۰۔ بھگتی مت کیا ہے ؟ اُس کی بُنیادی تعلیمات پر روشنی ڈالو۔

۱۱۔ بھگتی مت کے کیا اثرات ہوئے ۔؟

۱۲۔ مسلمانوں پر کیا کیا مقامی اثرات پڑے ؟

باب (۲)

تیمور لنگ کی غارتگری

۱۳۹۸ء

اِنسانوں کے خُون سے ناحق ہاتھ رَنگنے والے یوں تو ہر دَور میں پائے جاتے رہے ہیں لیکن ان ظالموں میں سرِفہرست بُخت نصر، چینگیز، ہلاکو اور تیمور لنگ ہیں ۔ اِن دَرندوں میں پہلے تین تو خیر خُدا کے بَاغی اور حق کے دُشمن تھے ان کے ہاتھوں انسانیت کُشی کوئی انوکھی بات نہیں ۔ لیکن تیموَر لنگ تو مدّعیٔ اِسلام تھا اُس اسلام کا مُدعی جو پُوری کائنات میں امن وسلامتی کا تنہا پیغام اور فلاحِ دارین کا واحد ضامن ہے۔ تیموَر نے اپنی غارتگری کو جہاد یا مُقدّس مذہبی جنگ کا نام دے رکھا تھا اور اپنے مظالم کو جائز ثابت کرنے کے لیے اُس نے جہاد کا فتویٰ بھی حاصل کرلیا تھا جیسے وہ جھنڈے پر لگائے پھرتا تھا۔ بعض خوشامدیوں کی باتوں میں آکر وہ اپنے آپ کو مُجدّد بھی سمجھنے لگا تھا۔

ابتدائی حالات: تیموؔر لنگ ۱۳۳۶ء میں سمرقند کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوا، نسلاً ترک تھا۔ اس کا باپ ترکوں کے مشہور خاندان "برلاس" سے تعلق رکھتا تھا مگر ماں چنگیزؔ کی پروتی تھی۔ تیموؔر اپنے کو مغل کہتا اور بدنامِ زمانہ چنگیزؔ سے اپنے اس رشتہ پر فخر کیا کرتا تھا۔

یاد رہے کہ چنگیزؔ خاں اور اس کے جانشینوں نے مغلوں کی ٹڈی دل فوج کی مدد سے قتل و غارتگری کرکے وسط ایشیاء میں ایک بہت بڑی سلطنت قائم کرلی تھی، مگر جس وقت تیموؔر نے آنکھیں کھولیں تو چنگیزی خاندان رو بہ زوال تھا۔ تیموؔر لنگ نے موقع سے فائدہ اُٹھایا اور تینتیس سال کی عمر میں سمرقند کے تخت پر قابض ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اُس نے ایک زبردست فوج منظم کی اور مشرق وسطیٰ کے مسلمان ممالک پر ہلّہ بول دیا۔ اس وقت مسلمان ممالک کا بہت ہی بُرا حال تھا۔ حکمران طبقہ عیش و عشرت میں پھنس کر اپنے فرائض سے غافِل ہوچکا تھا۔ خودغرض اُمراء ہمیشہ جوڑ توڑ میں لگے رہتے تھے۔ ایک ملک میں سلطنت کے کئی کئی دعویدار اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ عوام بھی دین سے بے تعلق ہوکر اخلاقی پستی کی آخری انتہا پر پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ تیمور لنگ ان کی آبادیوں پر قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹ پڑا۔ ان کا مال و اسباب لُوٹ لیا، ان کی کھیتیاں برباد کردیں، اُن کی آبادیاں اُجاڑ دیں، ان کے مکانات اور قلعے منہدم کردیئے، ان کے عالی شان محلوں کو آگ لگادی اور مرد عورت بچّے بوڑھے جو بھی مِلے لاکھوں کی تعداد میں ایک ایک جگہ قتل کراکے اُنکے سروں سے مینار بنوائے۔

ہند پر حملہ مغرب میں بحیرۂ روم کے قریب تک اپنی سلطنت وسیع کرنے کے بعد اُس نے ۶۹ سال کی عمر میں ہندوستان

کا رُخ کیا۔ مغلوں کے لیے ہند پر حملہ کوئی نئی بات نہ تھی اس سے قبل جب چنگیزی مُغل اسلام سے ناآشنا تھے تو بارہا حملے کر چکے تھے، مگر دہلی کے مسلمان سلاطین کی مُستعدی اور پامردی کے باعث ہر مرتبہ انہیں منہ کی کھانی پڑی تھی جس سے اُن کے دِلوں میں ہندوستانی فوجوں کا رُعب بیٹھ گیا تھا۔ سلاطینِ دہلی کا ہندوستان پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مدتوں اس ملک کے باشندوں کو ان درندوں کی غارتگری سے محفُوظ رکھا۔

سلطان بلبنؒ کو تو اس مقابلے میں اپنے ہونہار اور باصلاحیت بیٹے شاہزادہ محمد تک سے ہاتھ دھونا پڑا تھا۔ محمد تغلقؒ کے دور میں اسلام قبول کرکے یہ مغل اس کے حلیف بن گئے تھے لیکن فیروز تغلق کے نااہل جانشینوں کی خانہ جنگی اور صوبہ داروں کی خودمختاری کا حال معلوم کرکے تیمور لنگ کو پھر جرأت ہوئی۔ اس نے فوجی سرداروں کے سامنے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو ہر ایک کانوں پر ہاتھ دھرنے لگا۔ وُہ لوگ ہندوستانی افواج کی بہادری سے خائف تھے لیکن جب تیمورؒ نے یہاں کی صورتِ حال سے آگاہ کیا تو وُہ لوگ تیار ہوگئے۔ سب سے پہلے سرحدی قبائل کے افغان سردار موسٰیؒ خاں سے مُڈبھیڑ ہوئی۔ اس سے لڑنے کے لیے تیمورؒ نے اپنے ایک سردار کو بھیجا تھا جو لڑائی میں مارا گیا اور تیموری فوج زک اُٹھاکر واپس آگئی۔ اس موقع پر تیمورؒ نے ایک چال چلی۔ اس نے مقتول سردار کے بھائی کو جو اس جنگ میں شریک تھا قید کرکے مشہور کردیا کہ موسٰی خاں تو ہمارا دوست ہے، ان لوگوں نے بغیر اجازت حملہ کردیا تھا، اسی کی یہ سزا ہے۔ موسٰی خاں دھوکے میں آگیا اور تیمورؒ کو اپنا دوست سمجھ کر خُود اس سے مِلنے گیا۔

مگر تیمور نے بیوفائی کی اور اپنے مہمان کو قتل کرا کے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ راستے کا سب سے بڑا روڑہ ہٹ چکا تھا۔ چنانچہ تیمور نے اپنے پوتے پیر محمد کو تیس ہزار مسلح فوج کے ساتھ درۂ بولان کی راہ آگے روانہ کیا جو پٹھانوں کے مختلف قبائل سے لڑتا بھڑتا ملتان پہنچا اور وہاں کے حاکم کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کرلیا۔ خود تیمور ایک لاکھ افراد پر مشتمل ایک لشکرِ جرار لے کر درۂ خیبر کی راہ پنجاب میں داخل ہوا اور لوٹ مار کرتا ہوا لاہور پہنچ گیا۔ لاہور کے حاکم نے نہایت پامردی سے اس کا مقابلہ کیا مگر تیمور کی ٹڈی دِل فوج کے سامنے اس کی ایک پیش نہ گئی اور بالآخر لاہور پر تیمور کا قبضہ ہو گیا۔ اب سلطنت دہلی کے کچھ باغی نمک حرام اُمراء نے تیمور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی وفاداری کا اظہار کیا چنانچہ تیمور نے ان اقتدار پرست اور چڑھتے سُورج کے پُجاریوں کو بعض اضلاع کا حاکم بنا دیا اور خود لوٹ مار کرتا مُلتان پہنچا۔ یہاں اس کا پوتا پیر محمد پہلے سے موجود تھا۔ یہاں سے دونوں فوجیں ساتھ لیں اور بھٹنیر کے مشہور قلعہ پر حملہ کرکے قلعہ کو مسمار کر دیا اور شہر کو بھی برباد کر دیا۔

تیمور دہلی میں

اس کے بعد آگے بڑھا اور راستے کے قلعوں کو مسمار کرتا، آبادیوں کو اُجاڑتا، عورتوں مردوں کو لونڈی غلام بناتا اور قتل و غارتگری کرتا ہوا دہلی کے قریب آپہنچا۔ سلطانِ دہلی کی پچاس ہزار فوج مقابلے کے لیے آگے بڑھی۔ جنگ سے پہلے تیمور نے ان تمام قیدیوں کو نہایت بیدردی سے قتل کرا دیا جنہیں راستے میں گرفتار کیا گیا تھا اور جن کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ تھی۔ جنگ میں دہلی کی فوج کو بُری طرح

شکست ہوئی۔ محمود تغلق نے بھاگ کر گجرات میں پناہ لی۔ دہلی پر تیمور کا قبضہ ہو گیا۔
مغل فوج نے شہر میں فاتحانہ داخل ہو کر لوٹ مار شروع کر دی۔ سلاطینِ دہلی کی
تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ مغلوں کو دہلی لوٹنے کا موقع ملا چنانچہ ان لوگوں
نے جی بھر کر لوٹا۔ شہر والوں کی درخواست پر تیمور نے پہلے جان کی امان دے
دی تھی لیکن بعد میں کسی بات پر اہالیانِ دہلی اور مغل فوج کے بعض افراد سے
معمولی جھڑپ ہو گئی جس سے تیمور کا غیظ و غضب بھڑک اُٹھا اور اس طرح اسے
قتلِ عام کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مغل فوج اہالیانِ دہلی پر درندوں کی
طرح ٹوٹ پڑی اور دارالسلطنت کی کثیر آبادی کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ
دیا۔ دہلی کے گلی کوچوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ لوٹ مار، غارتگری سے تھک
کر تیموری فوجوں نے عالیشان محلوں اور بھرے گھروں کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا۔
دہلی ویران ہو گئی۔

تیمور کی واپسی

پندرہ دن کی سفّاکی کے بعد تیمور نے میرٹھ کا رُخ کیا اور
وہاں کے قلعہ کو مسمار کر کے شہر کو خوب لوٹا۔ پھر ضلع سہارنپور
کو تاراج کرتا ہوا بجنور کے علاقے میں داخل ہوا۔ یہاں سے دولت سمیٹتا آبادیوں کو اُجاڑتا
عورتوں اور مردوں کو لونڈی غلام بناتا جموں پہنچا اور محمود تغلق کے ایک باغی سردار خضر خاں
کو جو تیمور کی آمد ہی کے وقت سے اس کے ساتھ تھا پنجاب کا حاکم مقرر کر کے کابل کی
راہ سمرقند لوٹ گیا۔ اس مہم میں اسے کم و بیش ایک سال لگا۔ اس مدّت میں وُہ
ملک کے بہت بڑے حصّے کو تباہ و برباد کر گیا۔ مال و اسباب اور زر و جواہر تو خیر جتنا
بن پڑا، سمیٹا ہی تھا ساتھ ہی اتنے افراد کو قیدی بنا کر لے گیا کہ معمولی سے

سے معمولی فوجی کو بھی اوسطاً بیس لونڈی غلام ملے۔

ہندوستان سے واپسی میں تیمور نے اس لیے بھی جلدی کی کہ قسطنطنیہ کے عیسائی فرماں روا نے عثمانی ترک سلطان بایزید یلدرم کے خلاف تیمور سے مدد کی درخواست کی تھی۔ یہ درخواست تیمور کو ہندوستان ہی میں موصول ہوئی تھی چنانچہ اس ظالم نے عثمانی ترکوں کے خلاف عیسائیوں کی مدد کی اور حملہ کرکے ترکوں کی کمر توڑ دی اور یورپ ایک عرصہ کے لیے اسلام کی روشنی سے محروم ہوگیا۔ بایزید یلدرم جیسے مجاہد کو اس نے گرفتار کرکے جانوروں کی طرح پنجرے میں بند رکھا۔ یہ تھے اس ظالم کے کرتوت جسے وہ اور اس کے خوشامدی مجاہدانہ کارنامے شمار کرتے تھے۔

قحط اور وبا

تیمور کی واپسی کے بعد مغربی یوپی، دہلی اور پنجاب میں زبردست قحط پڑا۔ بہت سے لوگ اس کی نذر ہوگئے پھر وبائی بیماریاں پھوٹ پڑیں اور بچے کھچے لوگ اس کی زد میں آگئے۔ اس طرح گویا تیمور کی غارتگری، قحط اور وبائی بیماریوں نے مل کر قہرِ الٰہی کی تکمیل کردی جو اس ملک کے وسائل سے فائدہ اٹھانے والوں کی ناشکری، سرکشی، ظلم و جور، اخلاقی پستی اور بداعمالیوں کے نتیجے میں مقدر ہوچکا تھا۔ کاش اس طرح کی سرزنش بعد والوں کی آنکھیں کھول سکے!

۱۔ انسانیت کا ناحق خون بہانے والوں میں سرِفہرست کون کون ہیں؟

۲۔ تیمورؔ دوسروں کے مقابلے میں کیوں زیادہ قابلِ ملامت ہے؟

۳۔ تیمورؔ کے ابتدائی حالات بتاؤ۔

۴۔ موسیٰ خاں کو کس طرح زیر کیا؟

۵۔ "تیمور کی آمد کو دہلی کبھی نہیں بھول سکتی؟" کیوں؟ تیمورؔ کے حملے کا مفصّل حال بتاؤ۔

۶۔ وہ دہلی سے اتنے جلد کیوں واپس گیا؟

۷۔ تیمورؔ کے حملے سے ملک و ملّت کو کیا کیا نقصانات پہنچے؟

۸۔ تیمورؔ کے بعد ملک کی کیا حالت ہوئی؟

۹۔ مندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہور ہیں؟

۷۱۲ء، ۱۲۰۶ء، ۱۰۲۵ء، ۱۲۲۸ء، ۵۷۱ء، ۱۲۳۶ء، ۱۲۹۵ء، ۱۳۲۵ء، ۱۳۸۷ء، ۱۳۳۶ء، ۱۳۹۸ء،

۱۰۔ ہندوستان کا خاکہ بنا کر تیمورؔ کی آمد اور واپسی کا راستہ دکھاؤ۔

باب ۳

سیّد خاندان ۱۴۱۴ - ۱۴۵۱ء

تیمور کے حملے نے سلطنتِ دہلی کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کردی۔ کوئی مرکزی نظم نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں ہر طرف انتشار اور بدامنی کا دور دورہ ہوگیا۔ محمود تغلق نے چند ہی دن بعد گجرات سے واپس آکر پھر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا چاہا مگر اپنی نااہلیت اور خود غرض امرا کے جوڑ توڑ کے باعث وہ کچھ نہ کرسکا اور بالآخر ۱۴۱۲ء میں اُس کی وفات کے ساتھ تغلق خاندان کی حکومت ختم ہوگئی۔

سیّد خاندان ۱۴۱۴ - ۱۴۵۱ء

خضر خاں کے بارے میں تو تم پڑھ چکے ہو یہ محمود تغلق ہی کا ایک باغی سردار تھا جسے تیمور نے ہندوستان سے واپس ہوتے وقت پنجاب کا حاکم مقرر کردیا تھا۔ محمود تغلق کی وفات کے بعد خضر خاں تختِ دہلی پر قابض ہوگیا اور تیمور کے قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرنے لگا۔ خضر خاں کا خاندان یوں تو سیّد مشہور ہے مگر اس کا سیّد ہونا ثابت نہیں ہے۔ خضر خاں نے

مُلک سے بدامنی دُور کرنے کی کوشش کی مگر اُسے کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ سات سال بعد ۱۴۲۱ء میں اُس کے انتقال پر اُس کا بیٹا مُبارک شاہ تخت نشین ہوا اُس نے بھی سلطنتِ دہلی کا کھویا ہوا اقتدار واپس لانے اور ملک میں امن و امان بحال کرنے کی پُوری کوشش کی۔ خاندانِ تیموریہ سے ربط اُسے بہت کھلتا تھا چنانچہ اس نے اپنا تعلّق ختم کرکے خراج بھیجنا بند کردیا۔ مُبارک شاہ نے کافی جدّوجہد کی نہایت مستعدی سے بغاوتیں فرو کرتا رہا پھر بھی پنجاب کے کھوکھروں، میوات کے میواتیوں، کٹھرہ کے راٹھور راجپوتوں اور دیگر متعدد مقامات کے راجاؤں، رئیسوں اور زمینداروں نے اُسے چین نہ لینے دیا جگہ جگہ بدامنی پھیلاتے رہے۔ ادھر دارالسلطنت میں خود اس کے نومسلم وزیر سردارالملک اور بعض دُوسرے ہندو امراء کی بدعنوانیوں کی وجہ سے شکایات پیدا ہو رہی تھیں چنانچہ اصلاحِ حال کے لیے مُبارک شاہ نے کمال الملک کو وزارت میں شریک کردیا تھا۔ کمال الملک نے پُوری جانفشانی سے کام کرکے اندرونی حالات بہت کچھ سدھار دیے تھے مگر اس کی مقبولیت کے باعث سردارالملک اور دیگر ہندو اُمراء نہ صرف اس سے حسد کرنے لگے تھے بلکہ دل ہی دل میں مُبارک شاہ سے بھی کینہ رکھنے لگے تھے۔ یہ تو اس کے اپنے مقبوضات کا حال تھا۔ اِدھر ہمسائے بھی خطرہ بنے ہوئے تھے۔ شمال مغرب میں کابل کا شیخ علی مغل مستقل دردِ سر بنا ہُوا تھا۔ موقعہ پاتا تو لاہور اور ملتان تک چھاپہ مارجاتا۔ مالوہ کا ہوشنگ شاہ بھی گوالیار تک اور جونپور کا شرقی سُلطان بیانہ تک بڑھ آیا تھا۔ غرض پُورا ملک اندرونی و بیرونی شورشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اس صورتِ حال سے نمٹنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔

مُبارک شاہ نے حتی الامکان اصلاح کی کوشش کی۔ جونپور کا صوبہ دار فیروز تغلق کے بعد ہی ۱۳۹۴ء میں خود مختار ہو چکا تھا۔ مُبارک شاہ اس صوبے کو پھر سلطنت دہلی میں شامل کرنے کی فکر میں تھا۔ اتفاق سے جونپور کے شرقی سُلطان ابراہیم شاہ کی مالوہ کے ہوشنگ شاہ سے ٹکرّ ہو گئی۔ دونوں کی فوجیں کالپی میں نبرد آزما تھیں۔ مُبارک شاہ نے موقع کو غنیمت سمجھا۔ اس کی عدم موجودگی میں جونپور پر حملہ کی ٹھانی۔ کمال الملک کو ساتھ لیا اور شہر کے باہر خیمے نصب کر کے وہیں فوج بھرتی کرنے لگا۔ ادھر سردار الملک نے چند امراء کے ساتھ خود مُبارک شاہ کو قتل کرنے کی سازش کی اور ۱۴۳۴ء میں اس وقت جب کہ سلطان نماز جمعہ کے لیے جا رہا تھا راستہ میں ہلاک کر دیا۔ جس امیر نے سلطان پر پہلا وار کیا تھا وہ نمک حرام سلطان ہی کے خاندان کا پروردہ تھا۔

مُبارک شاہ کو قتل کر کے سردار الملک سیاہ سفید کا مالک بن بیٹھا۔ نام کے لیے تو اُس نے مُبارک شاہ کے بھتیجے محمد شاہ کو تخت نشین کر دیا تھا مگر مملکت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی تھی۔ چند دنوں میں اُس نے بھی سلطنتِ دہلی کا وہی حال کر دیا جو مُبارک شاہ خلجی کو قتل کر کے خسرو خاں نے کر رکھا تھا۔ منتظم اور سلطنت کے بہی خواہ امراء ایک ایک کر کے قید یا قتل کیے جانے لگے اور اُن کی جگہ وہ افراد اور اُن کے اعزّاء و اقارب بھرے جانے لگے جنہوں نے مبارک شاہ کے قتل میں حصّہ لیا تھا۔ حسّاس اور غیوّر لوگ دہلی کی یہ زبوں حالی دیکھ کر بیحد کُڑھتے تھے۔ مُبارک شاہ کی سعی و جہد سے انہیں یہ توقع ہو چلی تھی کہ سلطنت دہلی کا کھویا ہوا اقتدار پھر واپس آ جائے گا مگر ان ظالموں نے اُسے قتل

کرکے ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔ چنانچہ صورتِ حال کی اصلاح اور مُبارک شاہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بدایوں اور بلند شہر کے علماء، سنبھل کے حاکم اللہ داد خاں لودی اور کمال الملک نے ایک متحدہ محاذ بنایا اور ایک زبردست فوج اکٹھی کرکے دہلی کی طرف کوچ کردیا۔ محمد شاہ خوُد سردار الملک اور دیگر امراء کی چیرہ دستیوں سے عاجز تھا اور اس کی ہمدردیاں اس متحدہ محاذ کے ساتھ تھیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے سردار الملک اور دُوسرے نمک حرام قاتلوں کو قتل کرکے دہلی کو ان کے ناپاک وجُود سے پاک کیا۔ محمد شاہ نے اس خدمت کے صِلے میں کمال الملک کو تو اپنا وزیر بنایا اور دیگر اہل امراء کو عہدے اور خطابات دیے، مگر اللہ داد خاں نے خود کوئی صلہ لینے سے انکار کردیا۔

محمد شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدین تختِ نشین ہوا۔ اس کی نااہلی کے باعث سارے امراء و صوبے دار جو پہلے ہی سے بے قابو ہو رہے تھے اب بالکل آزاد ہو گئے۔ اس کی حکومت صرف دہلی کے اطراف کے چند پرگنوں تک سمٹ سمٹا کر رہ گئی حالانکہ تخت نشینی کے وقت اس نے اپنا لقب ”شاہِ عالم“ اختیار کر رکھا تھا۔ جبھی تو کسی سِتم ظریف نے یہ فقرہ چُست کیا تھا۔

”بادشاہیِ شاہِ عالم، از دہلی تا پالم“

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو ۱۴۵۱ء میں اُس نے دہلی کی حکومت سرہند کے صوبہ دار بہلول لودی کے حوالے کردی اور خود مستقل قیام کے لیے بدایوں چلا گیا۔ اس طرح دہلی کی سلطنت خاندان سادات سے منتقل ہو کر لودی خاندان میں چلی گئی۔

۱۔ سید خاندان کا بانی کون تھا؟ یہ خاندانِ سادات کیوں کہلاتا ہے؟

۲۔ خضر خاں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

۳۔ مُبارک شاہ کون تھا؟ اُس نے حالات کی اصلاح کے لیے کیا کوششیں کیں؟

۴۔ وُہ کیوں اور کس طرح قتل ہُوا؟

۵۔ مبارک شاہ کے بعد سلطنت دہلی کا کیا حال رہا؟

۶۔ مختلف عناصر نے اصلاحِ حال کی کیا کوششیں کیں؟ نتیجہ کیا رہا؟

۷۔ لودی خاندان کس طرح برسرِ اقتدار آیا؟

باب ۴

لودی خاندان ۱۴۵۱-۱۵۲۶ء

بہلول خان نسلاً افغان تھا اور سرحد کے مشہور قبیلہ لودی سے تعلق رکھتا تھا۔ لودی پٹھانوں میں سب سے پہلے جس شخص نے تاریخ ہند میں نمایاں حیثیت حاصل کی وہ فیروز تغلق کا نائب وزیر ظفر خاں لودی تھا۔ اس فرض شناس امیر کی فیروز تغلق دل سے قدر کرتا تھا اور اس کی جانبازی، مستعدی اور انتظامی صلاحیت کے باعث دُوسرے اکثر امراء پر اُسے ترجیح دیتا تھا۔ ظفر خاں کے بعد اُس کی آل اولاد اور دُوسرے لودی پٹھانوں نے بھی اپنی ان صفات کا مظاہرہ کیا۔ سلاطین دہلی کی طرف سے جس منصب پر بھی فائز ہوئے نہایت دیانت داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ تم پڑھ چکے ہو کہ فیروز تغلق کے آخری ایّام ہی سے سلطنت دہلی اندرونی خلفشار، بیرونی حملوں، نمک حرام امراء کے جوڑ توڑ اور سازشوں کی آماجگاہ رہی ہے مگر اس قبیلے کے امراء کا دامن نہ صرف ان دھبّوں سے پاک رہا بلکہ ان خرابیوں کو دُور کرنے کے

لیے سر دھڑ کی بازی لگانے والوں میں اِسی خاندان کے لوگ پیش پیش رہے ہیں۔ تیمور کی ٹڈی دَل فوج کے مقابلے میں اپنی محدود وسائل کے باوجود ملتان، لاہور اور دہلی میں سینہ تان کر کھڑے ہونے والے یہی لوگ تھے۔ انہیں لوگوں نے جان پر کھیل کر درندہ صفت مغلوں کی غارت گری سے ملک کو بچانے کی کوشش کی اور آخری سانس تک نہایت پامردی سے ڈٹے رہے، جبکہ بہت سے نمکحرام امراء اس ظالم کی چوکھٹ پر جبیں سائی کے لیے پہنچ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور اس خاندان سے بے حد جلنے لگا تھا اور بعد میں چل کر یہی جذبہ مغلوں اور پٹھانوں کے مابین بغض و عداوت کی مستقل بنیاد بن گیا۔ طوائف الملوکی کے دَور میں باغیوں اور مُفسدوں کے کچلنے اور امن و امان بحال رکھنے کی جدو جہد میں بھی یہی لوگ پیش پیش تھے اور دُوسروں کے مقابلے میں قوی تر ہونے کے باوجود کبھی خود مختار ہونے کا خواب نہیں دیکھا کیونکہ دہلی کی مرکزی حکومت کی اہمیت سے وہ خوب واقف تھے اور کسی قیمت پر بھی اس کی سُبکی اور کمزوری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ اُن کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ سلطنت دہلی کا کھویا ہوا اقتدار پھر کسی طرح واپس آجائے اور ملک میں امن و امان بحال رہے۔

بہلول لودی ۸۹ - ۱۴۵۱ء

اِسی خاندان کا ایک چشم و چراغ بہلولؔ لودی تھا۔ اس کی صلاحیتوں کے باعث محمد شاہ نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور علاؤالدین شاہ اسے اپنا بڑا بھائی سمجھتا تھا۔ علاؤالدین نے جب زمامِ حکومت اس کے حوالے کی تو دہلی کی سلطنت کا بس

نام ہی نام رہ گیا تھا ۔ سلاطین کی نااہلی اور امراء و اعیانِ حکومت کی خود غرضی و نمک حرامی کے باعث ہر طرف افراتفری پھیلی ہوئی تھی جس کے جہاں سینگ سماتے وہیں کچھ حصّہ دبا کر خود مختار بن بیٹھتا۔ مفسدوں اور باغیوں کو کھُل کھیلنے کے پُورے مواقع حاصل ہو گئے تھے ۔ غرض حالات انتہائی مایوس کُن تھے مگر اس جوانمرد نے ہمّت نہ ہاری بلکہ حالات پر قابو پانے کے لیے اُس نے ایک ترکیب نکالی ۔ سرحد سے اپنے قبیلے کے تمام افراد اور دُوسرے فرض شناس پٹھانوں کو بہت بڑی تعداد میں بُلا کر ذمہ داری کی تمام جگہیں ان کے حوالے کیں اور رفتہ رفتہ انہیں سلطنت کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا ۔ یہ لوگ نہایت دیانت دار، جفاکش اور منتظم ثابت ہوئے ۔ ان کی مدد سے بہت قلیل عرصے میں اس نے باغیوں اور مفسدوں کے سر کچل دیے اور ملک کے معتد بہ حصّے میں امن و امان بحال کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ آخر میں اُس نے جونپور کی شرقی سلطنت کو بھی فتح کر کے وہاں کا انتظام اپنے بڑے بیٹے باربکؔ شاہ کے حوالے کیا ۔ اس فتح سے سلطنتِ دہلی کا دبدبہ اور مرتبہ بہت بڑھ گیا اور باغیوں کی کمر ہمّت ٹوٹ گئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر نے خود ہی ہتھیار ڈال دیے ۔

اتنا غلبہ و اقتدار حاصل کرنے کے باوجود بہلولؔ لودی نے ہمیشہ اپنے کو قابو میں رکھا، نہایت پاکباز اور سادہ زندگی بسر کی ۔ ہمیشہ صوم وصلوٰۃ کا پابند رہا، علما اور اور بزرگانِ دین کی قدر کرتا، اُن کی صحبت میں بیٹھتا اور ان سے فیض حاصل کرتا تھا ۔ وہ نہایت فیاض اور انصاف پسند تھا ۔ خود رعایا کی فریاد سُنتا اور انصاف کرتا ۔ علاؤالدین شاہ کے احترام کو برقرار رکھا ۔ جب تک سلطان زندہ رہا سکّوں

پر اور خطبے میں بہلول نے اُسی کا نام جاری رکھا اور بدایوں کے آس پاس کا بہت بڑا علاقہ اُسی کے تصرّف میں چھوڑ دیا جہاں وہ اطمینان اور فراغت سے اپنے آخری ایّام تک متصرف رہا۔ بہلول اپنے ساتھی امرا و اعیانِ سلطنت کی عزّت کرتا، نہایت شرافت سے پیش آتا۔ اُن کے سامنے نہ تو کبھی شان وشوکت کا مظاہرہ کرتا اور نہ کبھی تخت پر بیٹھنا پسند کرتا تھا۔ اپنے انہی اوصافِ حمیدہ کے باعث وہ اپنے پٹھان سرداروں میں بے حد مقبول رہا۔ ان کی مدد سے اُس نے اپنے اڑتیس سالہ دور حکومت میں سلطنت دہلی کے مُردہ جسم میں پھر سے رُوح پھونک دی۔

۱۔ لودی خاندان کی حکومت کا بانی کون تھا؟

۲۔ لودیوں کا سابقہ کردار کیسا رہا؟ کیوں؟

۳۔ بہلول لودی کی سیرت اور کارناموں پر روشنی ڈالو۔

۴۔ افغان سرداروں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے بہلول نے کیا کیا؟

۵۔ جونپور کے شرقی سلاطین کے ساتھ بہلول کا کیا رویّہ رہا؟

۶۔ مندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہور ہیں؟

۱۴۱۴ء، ۱۴۲۱ء، ۱۳۹۴ء، ۱۴۱۲ء،

باب ۵

سکندر لودی ۱۴۸۹ء ۔ ۱۵۱۷ء

بہلول لودی کے بعد اس کا سب سے چھوٹا بیٹا سکندر لودی تخت نشین ہوا۔ سکندر نہایت وجیہہ اور بہت بڑا عالم تھا۔ وہ اپنے پانچ بھائیوں میں تھا تو سب سے چھوٹا مگر علم اور جسم کے علاوہ تقویٰ، نیک نفسی، اور انتظامی صلاحیت کے لحاظ سے بھی سب میں ممتاز تھا چنانچہ اُمرائے سلطنت کی نظر انتخاب اسی پر پڑی۔ بہلول لودی کے خلوص اور پاکبازی کے صلے میں باری تعالیٰ نے اسے سکندر جیسی صالح اولاد عطا فرمائی جو اس کا بہترین جانشین ثابت ہوا۔ سکندر کے بڑے بھائی باربک نے جسے بہلول نے جونپور کی شرقی حکومت کا حاکم مقرر کیا تھا، اس انتخاب سے اختلاف کیا اور خود سلطنت کا مُدعی بن کر سامنے آیا۔ مگر اس سے کچھ بن نہ پڑی اور بالآخر شکست کھا کر گرفتار ہوا۔ سکندر اس کے ساتھ نہایت شرافت سے پیش آیا اور بجائے انتقام لینے کے اُسے معاف کر دیا البتہ انتظامی مصالح کے پیشِ نظر اُسے اس کے منصب پر بحال نہیں کیا، بلکہ

شرقی حکومت ہی کو دہلی میں شامل کرلیا۔ اِس کے بعد حسین شاہ شرقی پر حملہ کرکے بہار پر بھی قبضہ کرلیا۔ سلطنت دہلی کی بڑھتی ہُوئی طاقت سے مرعوب ہو کر بنگال کے حکمران نے دوستی کا معاہدہ کرلیا اور دھولپور، گوالیار، اور بیدر وغیرہ کے راجاؤں نے بھی بخوشی اُس کی اطاعت قبول کرلی۔

شمالی علاقوں کے معقول انتظام کی طرف سے کسی حد تک مطمئن ہوکر سکندر جنوبی علاقوں کی طرف متوجّہ ہوا، اِس لیے اُس نے پایۂ تخت کو دہلی سے ہٹا کر جنوب کی طرف لے جانا مناسب سمجھا۔ شہر دہلی یوں بھی تیمور کی غارت گری کے باعث بالکل اُجاڑ سا ہوگیا تھا، چنانچہ آگرہ کے قریب سکندرہ نام کا ایک شہر آباد کیا اور پایۂ تخت کو وہیں منتقل کردیا۔

سیرت و کردار

سکندر نے اٹھائیس سال تک نہایت شان سے حکومت کی۔ اس کی لیاقت، شجاعت، عدالت اور انتظامی صلاحیت کے باعث پُوری مملکت میں امن و امان رہا۔ اللہ کی رحمت سے پیداوار بھی خُوب ہوئی چنانچہ اس کے دور میں رعایا نہایت فارغ البال ہوگئی۔ وہ بازار کے بھاؤ تاؤ کی بھی پُوری نگرانی کرتا تھا چنانچہ معمولی آمدنی والوں کی بھی ضروریاتِ زندگی بآسانی پُوری ہوجاتی تھیں۔

بچپن میں سکندر کی تعلیم و تربیت کا بہت معقول انتظام ہوا تھا۔ وہ خُود بھی علوم و فنون کا بے حد شوقین اور اپنے دَور کا بہت بڑا عالم تھا، فارسی کا مشہور شاعر اور علمِ طب کا ماہر تھا۔ اس کے زمانے میں عربی، فارسی اور دینی علوم کو بہت فروغ ہوا، متعدد عمدہ اور قابل قدر کتابیں لکھی گئیں۔ غیر مسلموں

نے بھی بڑے پیمانے پر فارسی زبان کی طرف توجہ کی۔

سکندر کو رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی بے حد خیال تھا۔ اس نے رفاہِ عامہ کے متعدّد کام کیے۔ سڑکیں دُرست کرائیں، آمدورفت کے ذرائع نیز مسافروں کے قیام و طعام کا معقول بندوبست کیا، جگہ جگہ پولیس چوکیاں قائم کیں، مسجدیں بنوائیں، مدرسے کھلوائے اور لوگوں کے اخلاق و عقائد سنوارنے کی پوری کوشش کی۔

عدل وانصاف کے قیام کی بھی اُس نے پوری کوشش کی۔ جگہ جگہ عدالتیں قائم کر کے قاضی مقرر کیے اور ان کی نگرانی کا معقول بندوبست کیا۔ سُلطان خود بھی نہایت انصاف پسند اور معاملہ فہم تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ گوالیار کے دو غریب بھائی فوج میں بھرتی ہوئے۔ اتفاق سے مالِ غنیمت میں انہیں دو لعل ہاتھ لگ گئے۔ دونوں نے ایک ایک بانٹ لیا۔ لعل قیمتی تھے ایک بھائی نے اپنا لعل بیچ کر تجارت کی ٹھانی اور نوکری چھوڑ کر گھر جانے لگا۔ دُوسرے بھائی نے اپنا لعل اُسی کے ہاتھ اپنی اہلیہ کو بھجوادیا۔ راستے میں بھائی کی نیت خراب ہوئی اور اُس نے دونوں لعل اپنے پاس رکھ لیے۔ کچھ عرصے کے بعد دُوسرا بھائی چھٹی لے کر گھر آیا۔ بیوی سے لعل کے متعلق بات چیت ہوئی۔ وہ بیچاری ہکّا بکّا رہ گئی۔ بھائی سے دریافت کیا تو وہ صاف مُکر گیا۔ بولا میں نے آتے ہی وہ لعل بھاوج کے حوالے کر دیا تھا۔ بات بڑھی معاملہ عدالت تک پہنچا۔ اِس ظالم نے دو جھوٹے گواہ کھڑے کر کے فیصلہ اپنے حق میں کرالیا۔ بیوی کو بڑا ملال ہوا، وہ بیچاری بلا وجہ جھوٹی ثابت ہوئی۔ آخر اُس سے صبر نہ ہو سکا اور اُس نے سُلطان کے یہاں اپیل کر دی۔ دونوں گواہ طلب ہوئے لیکن سُلطان

کے سامنے بھی دونوں جھوٹ بول گئے۔ سلطان کو اطمینان نہ ہوا۔ اس نے تحقیق حال کی ایک نئی ترکیب سوچی۔ دونوں سے پُوچھا "کیا تم نے لعل دیکھا تھا"؟ بولے "ہاں"۔ سلطان نے دونوں کو موم کے دو ٹکڑے دیے اور کہا کہ تم دونوں الگ الگ جا کر لعل کی شکل بنا لاؤ۔ گواہ شکل بنا کر لائے تو دونوں شکلیں جُدا جُدا تھیں۔ بادشاہ نے تاڑ لیا۔ ڈانٹا پھٹکارا تو ساری پول کھُل گئی اور دونوں نے اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیا۔

تقویٰ و پاکبازی میں سکندر اپنے باپ سے بھی آگے تھا۔ ارکانِ اسلام کی خود سختی سے پابندی کرتا اور دُوسروں کو اس کی ترغیب دیتا۔ علماء کی بے حد قدر کرتا، ان کی صحبت میں بیٹھتا۔ مساجد میں ان کے درس کا انتظام کرتا، خود درس میں شریک ہوتا۔ شیراز کے مولانا رفیع الدین محدث اسی کے دور میں ہندوستان آئے۔ سلطان نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی۔ دارالسلطنت میں ایک مسجد میں ان کے درسِ حدیث کا بندوبست کیا جن سے مدتوں متعدد لوگ فیض حاصل کرتے رہے۔

سُلطان خود بھی شریعت کا پابند اور نہایت بااصول شخص تھا اور بااُصول لوگوں ہی کو پسند کرتا تھا۔ چنانچہ اُس کے امراء میں بھی بیشتر لوگ نہایت خُدا ترس، شریف اور بااُصول تھے۔ سُلطان کے ایک امیر زین الدین کا واقعہ ہے سلطان نے کسی کام سے انہیں طلب کیا اور پے در پے تین ہرکارے بھیجے مگر امیر زین الدین نہ آئے۔ کسی درباری کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا "جہاں پناہ امیر زین الدین تو بہت مغرور معلوم ہوتے ہیں۔ آپ نے تین بار طلب کیا مگر پھر بھی نہ آئے۔" سلطان نے

نے کہا۔" مجھے خیال نہیں رہا ان کا معمول ہے کہ وہ جمعہ کو کہیں نہیں جاتے، جب فرصت ملے گی آجائیں گے۔"

یہ تھا اپنے امراء کے ساتھ سلطان کا رویّہ، چنانچہ اس کے اعیانِ حکومت بھی نہایت خُدا ترس، بااُصول اور مستعد لوگ تھے تبھی تو اس کا مبارک دور ہر قسم کے فتنہ و فساد سے پاک رہا اور رعایا کو امن چین اور خوشحالی نصیب ہوئی۔

اپنے اہلکاروں پر وہ کڑی نظر رکھتا تھا۔ ہر ایک کے بارے میں باخبر رہنے کی کوشش کرتا تھا، معمولی خرابیوں پر بھی گرفت کرتا۔ اپنے اہلکاروں کے طرزِ عمل کے متعلق اس کی معلومات کا یہ حال تھا کہ اکثر لوگ یہ گمان کرنے لگے تھے کہ شاید سلطان کے قبضے میں کوئی جن ہے جو سُلطان کو ہر بات سے باخبر رکھتا ہے حالانکہ یہ صرف اس کی مستعدی، فرض شناسی اور فراست کا نتیجہ تھا۔ اہلکاروں کے خلاف رعایا کو شکایت کی پُوری آزادی تھی اور جُرم ثابت ہونے پر انہیں سزا دی جاتی تھی چنانچہ اس کے اہلکار شکایت کا کم ہی موقع دیتے تھے۔

ابراہیم لودی ۲۶–۱۷ ۱۵ء

سکندر لودی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابراہیم لودی تخت نشین ہوا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح تھا بڑا بہادر اور ارادے کا پختہ، مگر مزاج میں درشتی بہت تھی۔ اس کے پیشرو اُمرائے سلطنت کے ساتھ برادرانہ سلوک کرتے تھے مگر اس نے اُن کے ساتھ سختی اور بدسلوکی شروع کردی۔ اس کے ناروا سلوک سے بڑے بڑے امراء اور شہزادگان بددِل ہوگئے اور اُسے تخت سے اُتارنے کی سازش کرنے لگے۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے اُس کے چھوٹے بھائی کو بغاوت پر آمادہ کیا مگر سلطان نے

ہمّت اور حوصلے سے کام لیا اور یہ سازش ناکام ہوگئی۔ اب سلطان نے اپنا رویّہ اور زیادہ سخت کر دیا جس سے سرداروں کی بے اطمینانی اور بڑھ گئی۔ کئی صُوبے دار سرکشی پر آمادہ ہوئے، کچھ نے خود مختاری کا اعلان کر دیا، بعض نمک حرام اُمراء اور نا عاقبت اندیش مخالفین خود سلطنتِ دہلی ہی کو مٹانے کے درپے ہوگئے۔

افغانوں کی باہمی چپقلش کا یہ نتیجہ ہوا کہ مُفسدوں اور باغیوں کو سر اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ ملک کا بیشتر حصّہ لٹیروں اور بدمعاشوں کی آماجگاہ بن گیا۔ بھوپال کے پورن مل نامی ایک ڈاکو نے تو اتنا غلبہ حاصل کر لیا تھا کہ وسط ہند کے لوگ ہر وقت اپنی جان و مال، عزّت آبرو کی خیر منایا کرتے تھے۔ لُوٹ مار اور قتل و غارت گری سے لوگ بے حد خائف اور ہراساں نظر آتے تھے۔ اِدھر راجپوتوں نے الگ ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ بدامنی اور طوائف الملوکی کا دَور دورہ تھا اور یہ سرزمین فتنہ و فساد سے بھر گئی تھی۔

بابر کا حملہ

اتفاق سے انہیں دنوں کابل پر تیمور کے پوتے کا پوتا بابر قابض ہو گیا تھا۔ لودی افغانوں سے ان مغلوں کو جو روایتی دشمنی تھی وہ بابر کو بھی ورثے میں مِلی تھی۔ دہلی کی سلطنت کو بابر اپنی آبائی میراث سمجھتا تھا مگر لودیوں کی کچھ ایسی دھاک تھی کہ حملے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ ابراہیم لودی کا چچا زاد بھائی علاؤالدین بھی تخت کا خواہاں تھا، وہ بابر سے مدد لینے کے لیے بھاگ کر کابل گیا اور اپنے بھائی پر حملہ کی ترغیب دینے لگا۔ بابر تیار ہوگیا اور دو تین بار حملے کیے مگر چناب سے آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ اس کی فوج پیش قدمی سے آخر تک ہچکچاتی رہی۔

پانی پت کی پہلی لڑائی ۱۵۲۶ء

اِس کے بعد پنجاب کے صوبہ دار دولت خاں نے ابراہیم لودی سے غدّاری کر کے بابَر کو حملہ پر اُبھارا اور اپنی طرف سے ہر قسم کی امداد کا وعدہ کیا۔ ادھر میواڑ کا راجپوت سردار رانا سانگا بھی ابراہیم کے درپے تھا اور تختِ دہلی پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہا تھا چنانچہ بابر کو حملے کی دعوت دینے میں وہ بھی شریک ہوگیا۔ بابر تو تاک میں تھا ہی، موقع پاتے ہی ایک لشکرِ جرّار لے کر کابل سے روانہ ہوا۔ راستے میں بعض افغان سرداروں سے معمولی جھڑپیں ہوئیں جن سے افغانوں کا رہا سہا بھرم بھی جاتا رہا۔ بابَر بے روک دہلی کے قریب آ پہنچا۔ ابراہیم لودی نے مدافعت کی امکانی کوشش کی، تقریباً ایک لاکھ زبردست فوج ترتیب دے کر مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے لق و دق میدان میں دونوں کی فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ بابر کی فوج جدید آتشیں اسلحہ اور دُور مار توپ سے لیس تھی اور جب خود گھر کے بھیدی لنکا ڈھانے پر آمادہ ہو جائیں تو شکست یقینی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ باوجود جان توڑ کوشش کے ابراہیم ہی کو شکست ہوئی۔ سلطان اپنے پندرہ ہزار جاں بازوں سمیت لڑتا ہوا مارا گیا اور غدّار، نمک حرام اور احساسِ ذمہ داری سے عاری منتظمین کی بدولت ملک کی اس پُرسکون فضا میں پھر ہلچل مچ گئی جو فرض شناس، خُدا ترس، اور پاکباز لودی سرداروں اور افغان جانبازوں کی طویل اور مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی تھی۔ بچے کھُچے امرا نے پہلے سکندرہ میں اس کے بعد جون پور میں اپنے لُٹے ہوئے قافلے کو منظم کر کے مقابلہ کرنا چاہا مگر بے سُود، کیونکہ ہندوستان کے مستقبل کے لیے قُدرت کچھ اور ہی فیصلہ کر چکی تھی۔

۱۔ سکندر لودی کون تھا؟ وہ اپنے کن اوصاف کی بنا پر تخت و تاج کا مالک بنا؟

۲۔ اس کے بھائی باربک کا کیا رویہ رہا؟ سکندر نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

۳۔ سکندر کے عدل و انصاف کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ دو بھائیوں کا جھگڑا اُس نے کس طرح نمٹایا؟

۴۔ سکندر لودی کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالو۔

۵۔ سکندر کی انتظامی صلاحیت کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

۶۔ امیر زین الدین کے ضمن میں کیا واقعہ پیش آیا؟ اس واقعہ سے دونوں کی کن خوبیوں پر روشنی پڑتی ہے؟

۷۔ ابراہیم لودی کون تھا؟ افغان اُمراء اور اس کے اعزہ اس سے کیوں ناخوش تھے؟

۸۔ بابر نے کیوں حملہ کیا؟

۹۔ پانی پت کی پہلی جنگ پر ایک مضمون لکھو مندرجہ ذیل عنوانات پیش نظر رہیں۔
نام، مقام، سن، فریقین، اسباب، واقعات، نتیجہ۔

۱۰۔ مندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہور ہیں؟

۶۱۴۹۲، ۶۱۴۹۸، ۶۱۴۵۱، ۶۱۳۸۶، ۶۱۵۱۷، ۶۱۵۲۶۔

☆

باب ۶

آزاد صُوبے

ہندوستان جیسے وسیع ملک کا انتظام ایک ہی مرکزی حکومت کے تحت امن وسکون کے ساتھ چلانا محال نہ سہی مگر ہے بہت مشکل کام۔ شخصی حکومتوں کے دَور میں تو یہ مسئلہ فرماں رواؤں کے لیے ہمیشہ دردِ سر بنا رہا۔ لاکھوں مربع میل میں پھیلے ہوئے، کروڑوں کی آبادی پر مشتمل، اس برّصغیر کی وسعت کو ذہن میں رکھو، پھر یہاں کے باشندوں کے رنگ روپ، خون، پانی، رہن سہن، بول چال، عقیدہ ومسلک میں غیر معمولی اختلاف کو دیکھو، اِس پر طرّہ یہ کہ مختلف حصّوں کے باشندوں میں علیحدگی پسندی کا رجحان بھی ہمیشہ پایا جاتا رہا ہے اور اس کی دولت وثروت کا حال سُن سُن کر بیرونی قومیں بھی امن وسکون پر ڈاکہ ڈالنے کی فکر میں رہی ہیں، ایسی صُورت میں یہاں کے باشندوں کو ایک ہی لڑی میں پرونا اور مُلک کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنا کتنا دِقّت طلب مسئلہ ہوجاتا ہے۔ مُسلمان سلاطین نے اپنے دورِ حکومت میں پُوری کوشش کی کہ کسی طرح اِس

برّصغیر کو مرکزی حکومت کے تابع رکھیں اور سرحدوں کو اتنا مضبوط بنا دیں کہ بیرونی حملہ آور پیش قدمی کی ہمت نہ کر سکیں ، اس کے لیے وہ لوگ بڑا اہتمام کرتے تھے۔ اپنی بیشتر فوجی طاقت سرحدوں کی حفاظت پر لگا دیتے اور ملک کا اندرونی نظم برقرار رکھنے کے لیے دُور کے صُوبوں میں وہ اپنا بہت ہی قریبی رشتہ دار یا نہایت وفادار امیر متعین کرتے ۔ مزید احتیاط کے لیے اس کے خاندان والوں کو یرغمال کے طور پر دارالسلطنت ہی میں قیام پر مجبور کرتے تھے ۔ پھر بھی ایسا ہوتا رہا ہے کہ دہلی کی مرکزی سلطنت میں اگر ذرا سی اندرونی کمزوری آئی یا بیرونی حملہ آوروں نے اسے متزلزل کیا تو دُور کے صوبے فوراً خود مختار ہونے کی کوشش کرنے لگے ۔ چند صدیاں پہلے تک جب کہ راستے بےحد دشوار گزار، آمد و رفت کے ذرائع کمیاب ، ریل، تار ، ڈاک کا نام و نشان نہیں ، نقل و حرکت میں انتہائی زحمت ، پُورے ملک کو قابو میں رکھنا اور زیادہ مشکل ہو جاتا تھا ۔ یہی سبب تھا کہ فوجی طاقت سے ملک کے بیشتر حصّہ پر تسلط جما لینے کے باوجود بہت کم فرماں روا ایسے ہوئے ہیں جو زیادہ عرصہ تک اپنا تسلّط برقرار اور اپنے مقبوضات میں امن و امان بحال رکھ سکے ہوں ۔

محمد تغلق کے آخری دور ہی میں گجرات ، جنوبی ہند اور بنگال وغیرہ دُور دراز کے صُوبے آزاد ہونے کی فکر کرنے لگے تھے ۔ فیروز تغلق کی شرافت اور صلح کُل پالیسی سے انہیں اور شہہ ملی اور تیمور کے حملے کے بعد جب دہلی کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو گئی تو بیشتر صوبوں نے خود مختاری کا اعلان کر کے اپنی اپنی مستقل آزاد سلطنتیں قائم کر لیں ۔ اِن میں جنوبی ہند کی بہمنی سلطنت ، جونپور کی شرقی سلطنت، گجرات ، مالوہ اور بنگال کی آزاد سلطنتیں قابلِ ذکر ہیں ۔

ہندوستان
آزاد صوبے ۱۵۲۵ء
دریائے برہمپتر
بیاس
جہلم
لاہور
راوی
ملتان
پانی پت
دہلی
دریائے سندھ
راجپوتانہ
سندھ
گجرات
دریائے چمبل
گوالیار
مالوہ
چندیری
دریائے نربدا
دریائے تاپتی
برار
دریائے گوداوری
احمد نگر
بیدر
بیجاپور
دریائے کرشنا
گولکنڈہ
گونڈوانہ
دریائے گنگا
خلیج بنگال
دریائے تنگ بھدرا
وجے نگر
بحیرۂ عرب
دریائے کاویری
بحر
ہند
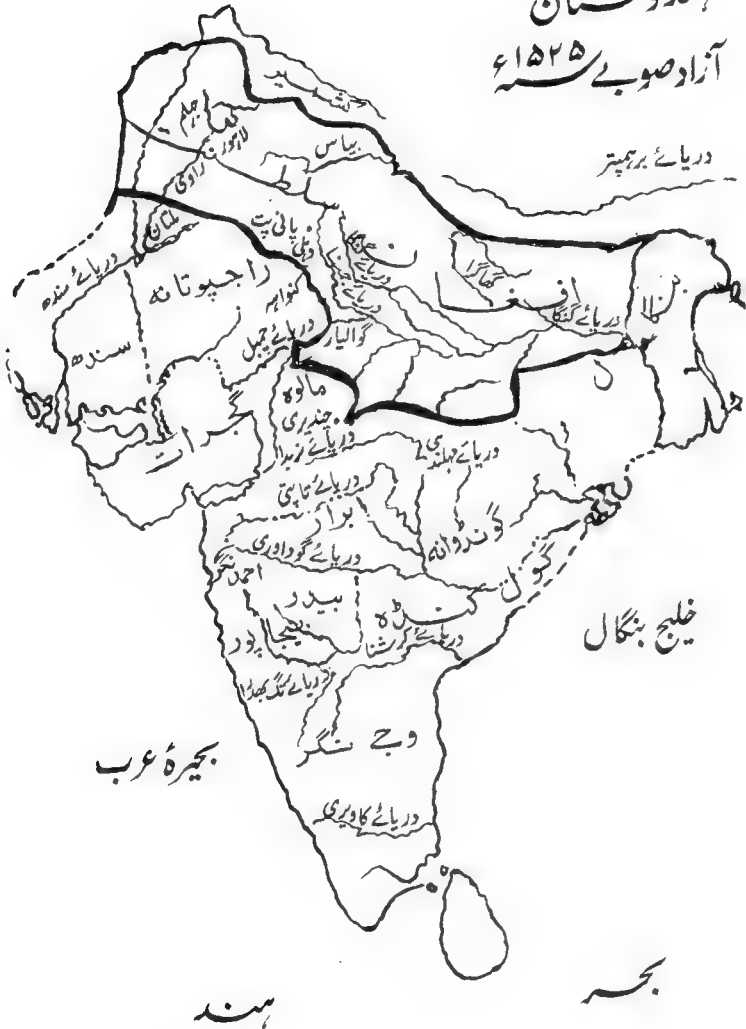
بہمنی سلطنت جنوبی ہند کی اس مسلمان مملکت کا بانی حسن گانگو بہمن ہے۔ محمد تغلق کے آخری ایّام میں جب کہ وہ شمالی ہند کے قحط زدہ لوگوں کے انتظام اور گجرات کی شورش مٹانے کی مہم پر تھا اس کے نمک حرام اور ناعاقبت اندیش اُمرا نے خود دولت آباد اور نواحی علاقوں میں انتشار و بدامنی پھیلائی۔ سلطان نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے معتمد امیر ظفر خاں کو مقرر کیا مگر اس نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور حسنؔ بہمن کے نام سے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے ۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور گلبرگہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ یہ سلطنت مدتوں جنوبی ہند کی مشہوؔر ہندو ریاست وجے نگر کے راجاؤں سے برابر ٹکرّ لیتی رہی۔

محمود گواں بہمنی سلطنت میں ایک وزیر محمودؔ گواں بہت مشہور گزرا ہے۔ وہ بہت ہی قابل، وفادار، اور محنتی تھا۔ ہمیشہ رعایا کی بہبود کی فکر میں لگا رہتا۔ نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی گزارتا، چٹائی پر سوتا، مٹی کے برتنوں میں کھانا کھاتا اور غریبوں، بے کسوں کا خاص خیال رکھتا تھا۔ بیدؔر میں اُس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ خود بھی شاگردوں کی طرح کبھی کبھی درس میں شریک ہوتا تھا۔ اس کو مطالعہ کا بھی بیحد شوق تھا۔ اس کی ذاتی لائبریری میں تین ہزار سے زائد کتابیں تھیں، جنہیں اس نے بیدر کے مدرسے کی نذر کردیا تھا۔ اس مدرسہ کی شاندار عمارت اب بھی بوسیدہ حالت میں موجُود ہے۔

بہمنی سلطنت کا خاتمہ ۱۵۲۴ء میں آخری بادشاہ کی وفات پر سلطنت پانچ حصّوں میں بٹ گئی۔ ۱۔ احمد نگر۔ ۲۔ گولکنڈہ۔

۳۔ بیجاپور۔ ۴۔ بیدر۔ ۵۔ برار۔

مدتوں یہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں آزاد رہیں آخر مغل سلاطین خصوصاً اورنگزیب نے ان سلطنتوں کو ختم کرکے سلطنتِ دہلی میں شامل کرلیا۔

جونپور ۱۳۶۰ء میں بنگال سے واپسی پر فیروز تغلق نے دریائے گومتی کے کنارے ایک خوبصورت شہر بسایا اور محمد تغلق کے اصل نام جونا خاں کی یاد میں اس کا نام جونا پور نام رکھا جو بگڑ کر جون پور کے نام سے مشہور ہوا۔ تغلق بادشاہوں کے شرقی صوبہ کا یہی شہر صدر مقام تھا۔ تیمور کے حملے کے بعد جب دہلی کی سلطنت کمزور ہوگئی تو ۱۳۹۸ء میں یہاں کے صوبہ دار خواجہ جہاں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ اب جون پور کا صوبہ شرقی سلطنت بن گیا۔ یہاں کے فرماں رواؤں میں ابراہیم شاہ شرقی بہت مشہور تھا۔ اس نے اپنی سلطنت کافی وسیع کرلی تھی۔ وہ علوم وفنون کا بھی بیحد قدردان تھا۔ اس کے زمانے میں جون پور علوم وفنون کا بہت بڑا مرکز بن گیا تھا اور مدتوں اس کی یہ حیثیت برقرار رہی۔ تیمور کے حملے سے جب دہلی کی حالت ابتر ہوگئی تو اہلِ علم وہاں سے بھاگ کر جونپور پہنچے۔ ابراہیم شاہ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ عمارتیں بنوانے کا بھی اُسے بہت شوق تھا۔ اس کی بنوائی ہوئی اٹالہ کی مسجد اب تک قابلِ دید ہے۔ دہلی کے سلاطین سے یہاں کے فرماں رواؤں کی برابر ٹکر ہوتی رہی۔ آخر ۱۴۷۶ء میں بہلول لودی نے جون پور کے آخری فرماں روا حسین شاہ شرقی کو شکست دے کر جونپور کو سلطنتِ دہلی میں شامل کرلیا

مالوہ ۱۴۰۱ء میں فیروز تغلق کے ایک جاگیردار دلاور خاں نے مالوہ میں ایک

خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور مانڈو کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ یہاں کے فرمانرواؤں میں سلطان محمودؔ مشہور ہوا ہے۔ یہ بہت بہادر، انصاف پسند اور عالم تھا۔ اس کے دور میں مالوہ نے بہت ترقی کی اور رعایا بہت خوش حال اور امن و سکون سے رہی۔ مالوہ مدتوں آزاد رہا۔ ۱۵۳۱ء میں گجرات کے حکمراں بہادر شاہ نے اُسے فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

گجرات فیروز تغلق کے ایک اور جاگیردار ظفرؔ خاں نے ۱۴۰۱ء میں گجرات کی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ یہاں کے حکمرانوں میں احمدؔشاہ بہت مشہور ہوا ہے۔ وہ بہت ہی بہادر، عقلمند، مُنصف مزاج اور اسلام پسند فرمانروا گزُرا ہے۔ ایک بار اُس کے ایک قریبی عزیز نے ایک بے گناہ کو مروا ڈالا۔ احمد شاہ نے اس ظالم کو سرِبازار موت کی سزا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے دوَر میں پھر کسی امیر کو غریبوں اور بے کسوں پر ظلم کرنے کی ہمّت نہ ہوئی۔ احمد آباد شہر اسی کا بسایا ہوا ہے۔

گجرات کے حکمرانوں میں دُوسرا مشہور فرمانروا محمودؔ بے غرہ ہوا ہے۔ اُس نے باوِن برس تک نہایت کامیابی کے ساتھ حکومت کی۔ وہ بھی بڑا بہادر، منصف مزاج، رحم دل، فیّاض اور اسلام کا دِلدادہ تھا۔ گجرات کا ایک اور فرمانروا بہادر شاہ ہوا ہے۔ اُس نے مالوہ اور راجپوتانہ کے بعض علاقے فتح کرکے اپنی سلطنت بہت وسیع کرلی تھی۔ ہمایوںؔ سے بھی اس کی جنگ ہوئی تھی۔ ۱۵۷۲ء میں اکبرؔ نے گجرات فتح کرکے دہلی کی سلطنت میں شامل کرلیا۔

بنگال بنگال یوں تو دہلی سلطنت کا ایک صُوبہ شمار ہوتا رہا ہے، مگر

درحقیقت دہلی سے دُوری کے باعث ہمیشہ نیم آزاد ہی رہا اور مرکز میں معمولی سا انقلاب آتے ہی وہ آزاد ہو جایا کرتا تھا۔ محمد تغلق کے آخری ایام ہی میں بنگال کے صُوبہ دار نے بغاوت کی اور فیروز تغلق نے اپنے دَور میں اس پر قابو پانے کے لیے دوبارہ حملہ بھی کیا، لیکن آخر ۱۳۵۷ء میں الیاس خواجہ شمس الدین کی خود مختاری کو تسلیم کرلیا۔ پہلے پنڈوہ پھر گوڑ اس کا پایۂ تخت رہا۔ یہاں کے حکمرانوں میں حُسین شاہ اور نصرت شاہ مشہور ہوئے ہیں۔ انہیں اپنی رعایا کا بہت خیال تھا، رفاہِ عام کے بہت سے کام کیے۔ مساجد اور شفا خانے بنوائے، بنگلہ زبان اور ادب کو ترقی دی۔ ۱۵۷۶ء میں اکبر نے اسے فتح کرکے اپنی سلطنت میں ملالیا۔

وِجے نگر ۱۳۳۶ء میں ہری ہر اور بکّا نامی دَو بھائیوں نے اس خود مختار ریاست کی بنیاد ڈالی اور وجے نگر کو اپنی راجدھانی بنایا۔ رفتہ رفتہ جنوبی ہند کا یہ سب سے بڑا خوبصُورت اور مشہور شہر بن گیا۔ یہاں کے راجاؤں سے سلطنت بہمنی کے بادشاہوں کی برابر ٹکّر ہوتی رہی۔ ۱۵۶۵ء میں پانچوں بہمنی سلطنتوں نے مِل کر اس پر حملہ کیا اور شکست دے کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کردیے۔ آخر میں مشہور مغل بادشاہ اورنگ زیب نے ان سب کو فتح کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

۱۔ ہندوستان کو ایک مرکزی نظام کے تحت چلانا کیوں ہمیشہ بہت مشکل کام رہا ہے؟

۲۔ مُسلمان سلاطین پُورے مُلک کو سلطنتِ دہلی کے تابع رکھ کر چلانے کے لیے کیا

تدابیر کرتے تھے؟

۳۔ دُور دراز کے علاقے کیوں بآسانی خودمختار ہو جاتے تھے؟

۴۔ تیمور کے حملے کے بعد ملک میں کون کون سی اہم آزاد حکومتیں قائم ہوئیں؟

۵۔ بہمنی سلطنت کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

۶۔ محمود گواں کون تھا؟ اس کی سیرت و کردار پر روشنی ڈالو۔

۷۔ جون پور کی شرقی حکومت کس طرح وجود میں آئی؟ یہ کیوں مشہور ہے؟ یہ سلطنت کس طرح ختم ہوئی؟

۸۔ مالوہ کی حکومت کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

۹۔ گجرات کا صوبہ کب آزاد ہوا؟ یہاں کون کون سے مشہور سلاطین ہوئے، اُن کا تعارف کراؤ؟

۱۰۔ بنگال کی آزاد سلطنت کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ اس کی ترقی کے لیے کن کن حکمرانوں نے کوشش کی؟

۱۱۔ وجے نگر کی سلطنت کس طرح وجُود میں آئی؟ اس کا خاتمہ کس طرح ہوا؟

۱۲۔ مُندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہُور ہیں؟

۱۳۹۸ء، ۱۳۴۷ء، ۱۵۲۴ء، ۱۳۶۰ء، ۱۴۲۶ء، ۱۴۰۱ء، ۱۳۵۴ء، ۱۳۳۶ء

۱۳۔ ہندوستان کا خاکہ بنا کر آزاد صُوبوں کی حدُود دکھاؤ۔

☆

باب ۷

سیّد محمّد جونپوریؒ اور تحریکِ مہدویّت

پندرہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کا بہت ہی بُرا حال تھا۔ تغلق خاندان کے آخری تاجداروں کی نااہلی اور ان کے امراء واعیان کی بے وفائی و لاپرواہی کے باعث سلطنتِ دہلی کا وقار خود گر رہا تھا۔ تیمورؔ کے حملے نے رہی سہی ساکھ بھی ختم کردی اور ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوگیا۔ حکمرانوں کی جن اخلاقی کمزوریوں کے نتیجہ میں یہ سیاسی زوال رُو نما ہوا تھا اس انتشار اور افراتفری نے ان میں اور زیادہ اضافہ کردیا۔ حق پرستی کے بجائے خود غرضی اور دُنیا پرستی ان میں عام ہوگئی اور ذاتی مفاد کی خاطر بڑے سے بڑا اجتماعی نقصان کر گزرنے میں بھی انہیں کوئی باک نہ رہا۔

عُلماء ومشائخ کی دِلچسپیاں

اِس میں شک نہیں کہ بگاڑ اس حد کو نہ پہنچتا اگر

علماء ومشائخ ہی اپنے فرائض کو پہچانتے اور اصلاحِ حال کی فکر کرتے، کیونکہ ان کی ایک کثیر تعداد ملک کے گوشے گوشے میں موجود تھی اور معاشرے پر ان کا اچھا خاصہ اثر تھا۔ مگر وہ تو سیاسی سربراہ کاروں سے بھی گئے گزرے تھے۔ علماء کی اکثریت فلسفہ ومنطق کی بھول بھلیوں اور فقہی موشگافیوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ خدا کی ذات کے ساتھ اس کی صفات کا کیا تعلق ہے؟ یعنی وہ عین ذات ہیں یا غیر ذات؟ یا نہ عین ہیں نہ غیر؟ کالی بلّی کا جھاگ پاک ہے یا ناپاک؟ غرض یہ اور اسی قبیل کے دُوسرے لاطائل مسائل اتنی اہمیت اختیار کر گئے تھے کہ بڑے بڑے علماء اپنا بیش قیمت وقت انہی کج بحثیوں میں ضائع کرنے لگے تھے۔ دین کے اصل ماخذ قرآن وسُنّت کو پسِ پُشت ڈال دیا گیا تھا۔ زندگی کے اہم مسائل کو سُلجھانے کی طرف توجہ نہ تھی، نہ کتابُ اللہ اور احادیثِ نبوی سے اس ضمن میں کوئی ہدایت حاصل کی جاتی تھی، رہے صوفیہ اور مشائخ تو ان کی بھی بہت بڑی تعداد کا میلان عملاً رُہبانیت کی طرف ہو گیا تھا۔ انہوں نے اللہ کی زمین پر اُس کے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے کی بجائے جوگیوں اور سنّیاسیوں کی طرح آبادی سے دُور جنگلوں اور پہاڑوں کا رُخ کیا تھا اور اپنا بیش قیمت وقت دلچسپ ریاضتوں اور مجاہدوں میں صرف کرنے لگے تھے۔ برسوں جنگلوں میں کھڑے ہو کر گزار دینا، راتوں کو جاگنا، دن کو فاقہ کرنا، جنگلوں کے پھل پھُلاری پر عُمریں کاٹ دینا، کوئیں میں اُلٹے لٹک کر عبادت کرنا، یہ سب ان کے معمولات بن گئے تھے۔ شرعی پابندیوں سے انحراف بلکہ اُن کا مذاق اُڑانا اور عبد ومعبود نیز کفر واسلام کو ایک سمجھنا اِن میں سے اکثر کا شعار بن گیا تھا۔

عوام کا حال

ایسی صورت میں عوام کا جو حال ہوگا وُہ ظاہر ہے۔ دین سے انہیں روایتی لگاؤ ضرور تھا مگر دین کا صحیح علم نہ ہونے کے باعث ان کی اکثریت مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ رسوم میں مُبتلا تھی سنت کی جگہ بدعات اور حقیقت کی جگہ توہمات نے لے کر رکھی تھی بھلائیوں کو فروغ دینے اور برائیوں سے روکنے کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ معاشرے کو ٹھیک رکھنے کے ذمہ دار ہی جب اپنے فرائض سے غافل ہو کر طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جائیں تو معاشرے میں جو بھی خرابی جڑ پکڑ جائے کم ہے۔ بہر حال اس گئی گزری حالت میں بھی پورا معاشرہ بھلے مانسوں سے خالی نہیں ہوگیا تھا، پاکیزہ روایات اور اسلاف کی اَن تھک کوششوں کا کچھ نہ کچھ اثر باقی تھا۔ ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ تھی جن کی انفرادی زندگیاں نہایت پاکیزہ تھیں اور جو پہلو میں حسّاس دل رکھتے اور اس صورتِ حال پر کڑھتے تھے۔ البتہ کمی ایک ایسی تنظیم کی تھی جو خیر کی ان منتشر قوتوں کو مجتمع کرتی اور اجتماعی جدوجہد کے ذریعے شر کو دباتی اور ملک میں ایک صالح انقلاب برپا کرتی۔

تحریکِ مہدویّت

اسی زمانے میں ایک تحریک اُٹھی جس نے پُورے معاشرے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کے علمبرداروں نے اُمراء و سلاطین کو ان کی کوتاہیوں پر بر ملا ٹوکا، علماء و مشائخ کو خوابِ غفلت سے جگایا اور انہیں ان کے اصل فرائض یاد دلائے۔ عوام کو کتاب و سُنّت کی طرف [illegible] بدعات و توہمات کی نشان دہی کی اور بُرائیوں کو مٹا کر بھلائیوں کو فروغ دیا۔ اس تحریک کے کارکنوں کی پاکیزہ زندگیاں، انتھک کوششیں اور اس کی راہ [illegible]

ان کا جانی و مالی ایثار، یہ ساری باتیں بلا شبہ اُن کے خلوص کا بیّن ثبوت تھیں مگر بانیِ تحریک کا حالتِ جذب میں دعوئ مہدویّت اور متبعین کا اس پر اصرار اور غلو یہ ایک ایسی غلطی تھی۔ جس نے تحریک کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے خود بند باندھ دیا۔ ان کا حلقۂ اثر دن بہ دن محدود ہوتا چلا گیا اور بعض دنیا پرست علماء اور بگڑے ہوئے صُوفیا کو جو کسی طرح اپنی اصلاح پر آمادہ نہ تھے اس بات کا موقع فراہم کر دیا کہ وہ مسلم عوام اور امراء و سلاطین کو اُن سے بدظن کر کے ان کی نیک مساعی پر بھی پانی پھیر دیں۔

سیّد محمّد جونپوری

اس تحریک کے اصل محرّک سیّد محمد تھے۔ آپ جونپور کے رہنے والے تھے ۱۴۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عُمر ہی میں آپ نے دینی علوم پر کافی دسترس حاصل کر لی تھی اور رفتہ رفتہ اپنے دور کے علماء میں آپ کا پایہ سب سے بلند ہو گیا۔ آپ کی غیر معمولی معلومات کے کے سب ہی معترف تھے اور جوانی ہی میں انہیں اسد العلماء کا خطاب دے رکھا تھا۔ تقویٰ و طہارت اور عبادت و ریاضت میں بھی ان کی ٹکر کا کوئی نہ تھا۔ صوفیاء اور مشائخ میں وہ "سید الاولیاء" کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کی شخصیت بڑی جاذب تھی۔ جو بھی صحبت میں آتا آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کے الفاظ میں بیحد اثر تھا۔ اللہ نے خطابت کی بھی غیر معمولی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ آپ کے مواعظ بڑے مؤثر ہوتے اور مُردہ دلوں کو بھی گرما دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ آپ کے دوست احباب اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا۔ دانا پور بہار کا حاکم سُلطان حُسین بھی آپ کے مُریدوں میں تھا لیکن اس دورِ انحطاط میں اس کی ساکھ

اتنی گر چکی تھی کہ وُہ راجہ دلپت رائے سے مغلوب اور اس کا باجگذار ہوگیا تھا۔آپ کی غیرت کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا لہٰذا آپ نے ایک دِن اُسے بھری مجلس میں ٹوکا اور نہایت تُند لہجے میں غیرت دلائی ۔ بولے " بدبخت! آج دُنیا کے پردے پر تجھ سے زیادہ محروم کوئی نہیں ہوگا بلکہ مجھے تو اندیشہ ہے کہ روز قیامت تیرا حشر اُن لوگوں میں ہوگا جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے ۔ تیری ذات سے اسلام ذلیل ہورہا ہے۔ تو بُت پرستی کی اشاعت کا باعث ہے اور تیری وجہ سے حق پر باطل غالب آرہا ہے۔"

آپ کے اس لعن طعن کا یہ اثر ہوا کہ محدود وسائل کے باوجود سُلطان حُسینؒ نے راجہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ٹھان لی ۔ اس کی اعانت کے لیے آپ نے حاضرینِ مجلس کو بھی بہت ہی تیز و تُند الفاظ میں جھنجھوڑا ۔ حاضرین کو بھی غیرت آئی اور وہ سب آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوکر سُلطان حسین کی اعانت پر آمادہ ہوگئے۔ دلپت رائے سے جنگ ہوئی ، راجہ کے پاس کئی گُنا فوج تھی چنانچہ سلطان حُسین مقابلے کی تاب نہ لا سکا، اسے شکست ہونے لگی ۔ لیکن آپ اور آپ کے ساتھیوں نے ایسی جان توڑ کوشش کی کہ لڑائی کا پانسہ پلٹ گیا۔ آپ نے آگے بڑھ کر راجہ کو قتل کر دیا ۔ راجہ کا قتل ہونا تھا کہ اس کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور سُلطان حُسینؒ کامیاب ہوگیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس جنگ کے بعد آپ پہ جذب کی کیفیت طاری ہوئی اور یہ حالت کم و بیش بارہ سال رہی اور سات سال تو اس حال میں گزرے ہیں کہ آپ مسلسل روزے رکھتے اور تمام علائق سے کٹ کر ہر وقت یاد الٰہی میں مُستغرق رہتے ۔ جذب کی حالت میں کہیں آپ نے مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا ۔ پھر کیا تھا عقیدتمند اسے لے اُڑے اور اپنے امام کی مہدویت کو بھی دعوت و اصلاح کی اس پاکیزہ تحریک کا ایک جُز بنا ڈالا ۔ ان کی

اس غلطی سے تحریک کی رفتار بھی رُک گئی ، مخالفوں کو آپ کے خلاف ایک حربہ مل گیا ۔ انھوں نے بات کا بتنگڑ بنا کر اُمراء اور عوام کو خوب بھڑکایا ۔

حالتِ جذب میں افاقہ ہوا تو آپ ترکِ وطن کر کے دَورے پر نکلے اور ان تمام مقامات کی خاک چھانی جو اُس زمانہ میں علماء اور مشائخ کے گڑھ تھے ۔ چندیری، مانڈو ، جاپانیر، دولت آباد، احمدنگر، بیدر ، اور گلبرگہ جیسے دُور دراز مقامات تک پہنچ کر وہاں کے علماء و مشائخ اور سربرآوردہ لوگوں کو اصلاحِ حال کی طرف توجہ دِلائی ۔ انہیں ان کی کوتاہیوں پر ٹوکا، فکری و عملی گمراہیوں کی نشاندہی کی ۔ فلسفہ و منطق اور فقہی موشگافیوں میں اُلجھنے سے روکا، قرآن و سُنت پر عمل کرنے کی دعوت دی ، دُنیا پرستی کے انجام سے آگاہ کر کے اللہ کی سچی محبت پر اُبھارا ۔ عوام کو اُن کی گمراہیوں پر سرزنش کی ، انہیں دین کے تقاضے سمجھائے ، بدعات اور بداعمالیوں سے اجتناب کی تلقین کی ، آخرت کی بازپُرس سے ڈرایا ۔ غرض اس مردِ مجاہد نے پُورے خلوص سے اپنا فرض انجام دینے کی کوشش کی ۔ کچھ لوگوں نے آپ کی باتوں پر کان دھرا ، اکثریت نے سُنی اَن سُنی کر دی ۔ بگڑے ہوئے علماء و مشائخ کی طرف سے کفر و الحاد کے فتوؤں اور اعتراضات و اتہامات کی بوچھاڑ شروع ہوئی ۔ اعتراضات عموماً یہ تھے :

> ”تم مسلمانوں کو کافر کہتے اور اُنہیں مُومن بننے کا حکم دیتے ہو ۔ تم امام اعظمؒ کی تقلید کی بجائے ہر سوال کا جواب براہِ راست کتابُ اللہ اور سُنتِ رسُول اللہ سے دیتے ہو ۔ تم عُلوم (فلسفہ و منطق) کی تحصیل سے روکتے ہو ۔ تمہارے متبعین عُلماء و مشائخ سے برگشتہ

ہو گئے ہیں، اُن کی شان میں گستاخی کرتے اور ان پر عیب لگاتے
ہیں۔"

آپ نے اِن سوالات کے شافی جوابات دیئے مگر الزام تراشی کا سلسلہ جاری رہا اور امراء وعوام سب کو ان کے خلاف خوب بھڑکایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں بھی آپ گئے دنیا دار علماء اور عیش پرست اُمراء کی نگاہوں میں خطرناک شمار ہو کر نکالے گئے۔

اِس دورہ کے بعد ۱۴۹۵ء میں آپ نے حج بیت اللہ کیا۔ مکّہ معظمہ میں پھر آپ پر نہ جانے کیسا کیفیت طاری ہوئی کہ آپ نے مُریدوں کے سامنے مہدی ہونے کے دعوے کو پھر دُہرایا۔ واپسی پر احمد آباد (گجرات) آئے۔ مشہور ہے کہ یہاں ایک عام جلسے میں آپ نے اپنے جسم کی جلد کو دو انگلیوں سے پکڑ کر کہا "جو شخص اس ذات کے دعوئ مہدویت کا مُنکر ہے وہ کافر ہے" نہ جانے اس میں کہاں تک صداقت ہے اور یہ جملہ نکلتے وقت آپ کے دل و دماغ کی کیا کیفیت تھی؟ بہر حال یہ جُملہ فتنہ بنا اور علماء نے حکام سے آپ کے اخراج کا حکم جاری کرا دیا۔ چلتے وقت آپ نے فرمایا "قیامت کے دن دونوں طرح سے اِن علماء اور حکام کو رُوسیاہی نصیب ہوگی کیوں کہ اگر میں حق پر ہوں تو اُنہوں نے مدد کیوں نہ کی اور اگر میں ناحق پر تھا تو انہوں نے قید کیوں نہ کر دیا اور میری غلطی مجھ پر واضح کیوں نہ کی؟ اگر غلطی واضح ہونے پر بھی میں نے اصرار کیا تو میں قتل کیوں نہ کر دیا گیا کیوں کہ جہاں جاؤں گا یہی دعوت پیش کروں گا اور ان کے خیال میں مخلوق کو گمراہ کرتا رہوں گا اور اس کا وبال ان کی گردن پر رہے گا۔"

قندھار کا سفر

بہرحال وہاں سے چل کھڑے ہوئے اور تین سو ساٹھ مُریدوں کے ساتھ قندھار پہنچے وہاں بھی خلق کا ہجوم اور آپ کی مقبولیت دیکھی تو دُنیا پرستوں کے کان کھڑے ہوگئے۔ علمار اور مشائخ نے بڑے شدّو مد سے آپ کی مخالفت شروع کی۔ طرح طرح کے الزامات تھوپے اور ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ آپ نے نہایت صبر و تحمل سے مزاحمتیں برداشت کیں۔ وہاں کا حاکم ایک بیس سالہ نوجوان اور جوشیلا مُسلمان تھا۔ اُس نے اختلافات کا آخری فیصلہ کرانے کے لیے جمعہ میں آپ کی تقریر کا اہتمام کرایا۔ شہر کے تمام علمار شریک ہوئے۔ آپ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں دین کا تقاضا سمجھایا، قرآن و سُنّت کی بے میل دعوت پیش کی۔ آپ کے وعظ سے سامعین بے حد متاثر ہوئے اور حاکم شہر بھی آپ کے بیان پر فریفتہ ہوگیا اور بالآخر مخالفوں سے آپ کو نجات ملی۔

فراہ میں قیام

اِس کے بعد آپ خراسان گئے اور وہاں کے ایک شہر فرآہ میں اقامت اختیار کی۔ یہاں بھی مخالفتیں شروع ہوئیں۔ قاضی شہر نے کافی نقصان پہنچایا۔ خراسان کے بادشاہ کو بھی آپ کے خلاف بھڑکایا گیا۔ وہ آپ اور آپ کے معتقدین کو مٹانے کے درپے ہوا اور معتمد وزیر کو ایک فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ ابھی فوج دُور ہی تھی کہ بادشاہ کی خفگی اور وزیر کے حملے کی اطلاع ایک معتقد نے آپ کو پہنچائی۔ آپ نے نہایت استغنا سے فرمایا "کون بادشاہ اور کیسا وزیر؟ بادشاہ تو صرف ایک ہی ہے اور اس کا کوئی وزیر نہیں ہے۔"

لشکر پہنچا تو آپ اور آپ کے معتقدین نے نہایت صبر و تحمل اور بے نیازی کا مظاہرہ کیا۔ وزیر اس شانِ استغنا سے بے حد متاثر ہوا۔ حملہ کرنے کے بجائے اس نے افہام و تفہیم شروع کر دی۔ باتوں باتوں میں مہدویت پر بھی بحث آئی۔ وزیر نے کہا "اگر آپ لغوی معنی میں مہدی ہونے کے مُدّعی ہیں (یعنی تجدیدِ دین و احیاءِ ملّت کا جو کام آپ نے چھیڑا ہے وہ حق ہے اور اس کام میں مسلمانوں کو آپ کا ساتھ دینا چاہیئے) تو یہ ایک معقول بات ہے، ہم سب آپ کے ساتھی ہیں۔ لیکن اگر آپ اصطلاحی مہدی یعنی مہدی آخرالزماں ہیں تو اس کے لیے اللہ کی طرف سے کھُلی ہوئی نشانیاں ہونی چاہئیں۔" آپ نے فرمایا "نشانیاں دکھانا اللہ کا کام ہے، ہمارا کام تو دینِ حق کی دعوت و تبلیغ ہے۔"

وفات اِس کے بعد آپ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ آپ نے اپنی دعوت جاری رکھی اور ۱۵۰۵ء میں وہیں وفات پائی۔ مشہور ہے کہ انتقال سے پہلے آپ نے مہدویت کے دعوے سے رجُوع کر لیا تھا۔ کچھ مُدّت کے بعد اس واقعہ کی اطلاع آپ کے ایک معتقد مُغل نے ہندوستان پہنچائی وہ آپ کی وفات کے وقت فراہ میں موجود تھا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی تحریک کے بعض سرگرم کارکنوں نے بھی اپنے اِس عقیدے سے توبہ کرلی۔ اُس دور کے مشہور مؤرخ مُلّا عبدالقادر بدایونی سے بھی اس مُغل کی ملاقات ہُوئی تھی۔ چنانچہ اُسی کے حوالے سے بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التواریخ" میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

خدمات دعویٔ مہدویت کے کھوکھلے پن اور مخالفین کی چیرہ دستیوں کے باعث

اگرچہ آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونے والوں کی تعداد محدود رہی پھر بھی تجدیدِ دین واحیاءِ ملّت کا جو غلغلہ آپ نے بلند کیا اُس سے پُورے ملک میں بیداری کی ایک لہر دوڑ گئی ۔ مخالف اور موافق سب ہی اپنے طور پر اصلاحِ حال کی طرف متوجّہ ہوئے اور سچ پوچھیے تو یہ آپ ہی کی مساعی کا ردِّ عمل تھا کہ اس دورِ انحطاط کے بعد ہندوستان نے سکندؔر لودی اور شیرؔ شاہ کا دورِ عروج بھی دیکھا۔

آپ کے بعد آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی تحریک جاری رہی بلکہ عبداللہ خاںؔ نیازی اور شیخؔ علائی کے مہدوی طریقہ اپنا لینے سے اس تحریک کو تازہ قوت بہم پہنچ گئی ۔

عبداللہ خاں نیازی آپ ایک معزز افغان تھے ۔ شیر شاہ کے دَور میں آپ کو کافی عُروج حاصل ہوا تھا۔ پہلو میں ایک حسّاس دل رکھتے تھے ۔ مہدوی تحریک سے متاثر ہوگئے ۔ گھر بار چھوڑا ، اپنا سارا اثاثہ غریبوں میں تقسیم کر دیا اور دولت وحشمت کو خیرباد کہہ کر بیانے میں فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے ۔ آپ کی کوششوں سے متعدد انسانوں کی زندگیاں سنور گئیں اور جانبازوں کی ایک ایسی ٹولی تیّار ہوگئی جو نہایت مُستعدی سے بھلائیوں کے فروغ اور برائیوں کے انسداد کا فریضہ انجام دیتی تھی ۔ آپ نے اپنے ساتھیوں میں ایسا جوش پیدا کر دیا تھا کہ وہ مُسلم معاشرے میں خلافِ شرع کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے اور ضرورت ہو تو بُرائیوں کو بہ جبر روک دیتے تھے ۔

شیخ عَلائیؒ آپ ہی کی کوششوں سے شیخؔ علائیؒ نے بھی مہدوی طریقہ اختیار کیا۔

شیخ علائی بنگال کے پیرزادے تھے ۔ حج سے واپس آکر بیانہ میں قیام کیا، عبداللہ خاں نیازی کے خلوص اور تقویٰ سے متاثر ہوئے اور تجدید و اصلاح کی سرگرمیوں میں آپ کے ساتھی بن گئے ۔ تقویٰ وطہارت اور دینی بصیرت کے علاوہ اللہ نے انہیں خطابت کی بھی غیر معمولی صلاحیت بخشی تھی ۔ ان کی شرکت سے تحریک کو بے حد فروغ ہوا ۔ اب اِس تحریک نے عوام سے بڑھ کر خواص میں زور پکڑنا شروع کیا ۔ شیخ علائی کی کوششوں سے شیر شاہ کا مشہور سپہ سالار ہمایوں اعظم اور دُوسرے متعدد فوجی شیخ کے مُعتقد اور پیرو بن گئے ۔

عبداللہ خاں نیازی پر عتاب

تحریک کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت نے علماء اور اربابِ حکومت دونوں کے کان کھڑے کر دیے ۔ سلیم شاہ سُوری کا زمانہ تھا ایک دُنیا پرست عالم مخدوم الملک عبداللہ سلطان پُوری کو اس کے دربار میں کافی اثر و رسُوخ حاصل ہو گیا تھا ۔ اُس نے ان بزرگوں کے خلاف سلیم شاہ کو خُوب بھڑکایا اور اُسے یہ باور کرا دیا کہ تجدید و اصلاح کی یہ کوشش حکومت کے لیے نہایت خطرناک ہے ، اسے کچل دینا چاہیئے ورنہ یہ لوگ اپنے معتقدین کی مدد سے حکومت پر قابض ہو جائیں گے ۔

شاہی عتاب کا پہلا شکار عبداللہ خاں نیازی ہوئے ۔ سلیم شاہ بیانہ گیا ہوا تھا ، مخدوم الملک ساتھ تھا بولا ۔ " سب سے بڑا فتنہ اسی سرزمین میں مقیم ہے ۔ " سرزنش کے لیے نیازی دربار میں طلب کیے گئے ۔ وہ ایک مردِ مومن کی شان سے دربار میں حاضر ہوئے اور گردن جُھکائے بغیر اسلامی طریقہ سے

السّلام علیکم کہا۔ مگر فرعون صفت حکمرانوں اور ان کے حاشیہ نشین درباریوں کو یہ بات کب گوارا ہوسکتی تھی چنانچہ درباریوں نے زبردستی ان کی گردن جھکا کر کہا "بادشاہوں کو سلام اس طرح کیا جاتا ہے۔"

آپ نے نہایت بیباکی سے جواب دیا۔" سلام کا اسلامی طریقہ یہی ہے حضورؐ کو صحابہ کرامؓ اسی طرح سلام کرتے تھے، سلام کے کسی اور طریقے سے میں آشنا نہیں ہوں۔"

خُدا کا خوف ہوتا تو آپ کی اس حق گوئی سے سب عبرت پکڑتے، مگر مخدوم الملک نے سلیم کو اور زیادہ مشتعل کر کے نیازی کو بُری طرح پٹوایا۔ آپ مرتے مرتے بچے اور وہاں سے ہجرت کر کے کشمیر چلے گئے۔ آخری وقت تک آپ نے اصلاح و تجدید کا کام جاری رکھا۔ کشمیر ہی کے قیام میں آپ کی اُس متعلی سے ملاقات ہُوئی تھی، جو سیّد محمد جونپوری کی وفات کے وقت فرآہ میں موجود تھا چنانچہ اس کے بیان پر آپ کو بھی مہدویت کے عقیدے پر اصرار نہ رہا۔

شیخ عَلائی کی شہادت

نیازی کو اس بیدردی سے پٹوانے کے بعد بھی مخدوم الملک کی آتشِ عناد نہ بجُھی۔ یہ ظالم اب شیخ علائی کے پیچھے پڑا۔ سلیم شاہ کے کان بھرے اور شیخ علائیؒ کو دربار میں طلب کرایا۔ شیخ آئے تو اُسی شانِ بے نیازی سے جو ایک حق پرست کی ہونی چاہیے۔ آپ نے نہ تو دربار کی غیراسلامی رسوم کا لحاظ رکھا اور نہ سُلطان کو کوئی غیر معمولی اہمیت دی بلکہ جب اُس نے اپنے خاصے کا پُر تکلّف کھانا بھجوایا تو آپ نے اظہارِ ملامت کیا۔ سُلطان کو یہ باتیں بُری تو لگیں مگر وہ آپ کے خلوص اور تقویٰ کا معترف ہوچکا تھا اس لیے پی گیا۔ دربار میں آپ کی تقریر ہوئی۔ اللہ نے پہلو میں حسّاس دل اور مُنہ میں پُرتاثیر زبان تو دی ہی تھی آنکھوں کے سامنے آخرت کا نقشہ پھر گیا۔ لوگوں کو موت یاد

آنے لگی۔ سلطان سلیم بے حد متاثر ہوا لیکن مخدوم الملک پھر بھی نہ پسیجا، مھدوی عقیدہ کو زیر بحث لاکر آپ کے قتل کا فتویٰ دیدیا۔ سُلطان ٹالتا رہا اور آخری فیصلے کے لیے آپ کا معاملہ علماء کی ایک کمیٹی کے سپرد کردیا۔ آپ نے اپنی مدافعت میں تقریر فرمائی اس سے علماءِ سُوء کی پول کھل گئی۔ کئی دن تک مناظرہ ہوتا رہا مگر کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوسکا۔ سلطان آپ کو گزند پہنچانے پر آمادہ نہ تھا لیکن مخدوم الملک کی ضد پر شیخ کو دکن کی طرف ملک بدر کرنا پڑا۔ شیخ نے ابھی سرحد پار نہ کی تھی کہ اُن کی مقبولیت کے عام چرچے ہونے لگے۔ راستے میں متعدد لوگ آپ کے ہم نوا بن گئے۔ مخدوم الملک نے سلطان کو بھڑکا کر پھر دربار میں طلب کرایا۔ اس مرتبہ شیخ کے عقیدے کی جانچ کا کام بہار کے ایک جلیل القدر عالم میاں بڈھے کے سپرد ہوا۔ انہوں نے سلیم شاہ کو ایک خط لکھا کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ ایمان اِسی پر منحصر ہو۔ علامات مہدی کے بارے میں کافی اختلاف ہے اور ان سے شیخ علائی کے کُفر یا ایمان کے متعلق فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہ خط سلیم شاہ کو نہ پہنچا۔ میاں بڈھے کے لڑکوں نے مخدوم الملک کے ڈر سے یہ خط روک لیا اور اس کے بدلے ایک جعلی خط اس مضمون کا بھیج دیا "کہ آج مخدوم الملک محققین میں ہیں جو فتویٰ وہ دیں وہی صحیح ہے"۔ اب مجبور ہوکر سلیم شاہ نے شیخ کو مخدوم الملک کے حوالے کردیا۔ اس ظالم نے اتنے کوڑے لگوائے کہ آپ شہید ہوگئے، پھر نعش کو ہاتھی کے پیر میں بندھوا کر سارے شہر میں تشہیر کرائی یہاں تک کہ نعش کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اِن بزرگوں کے علاوہ بھی متعدد لوگ اِس ظالم کے جَور و استبداد کا شکار ہوئے

اور رفتہ رفتہ یہ تحریک دب گئی ۔ مہدوی عقیدہ کے لوگ گجرات اور دکن میں اب بھی پائے جاتے ہیں مگر مہدویت کے عقیدے میں غیر معمولی غلو کے باعث وہ ایک فرقہ بن کر رہ گئے ہیں ، تحریک کی اصل رُوح مفقود ہو گئی ہے ۔

۱۔ مہدوی تحریک کیا تھی ؟ اس تحریک کا بانی کون تھا ؟ یہ تحریک کن حالات میں اُٹھی ؟
۲۔ سیّد محمد جونپوری کی تحریک سے پہلے علماء و مشائخ کا کیا حال تھا ؟ عوام کی کیا حالت تھی ؟
۳۔ سیّد محمد جونپوری کی علمی لیاقت کے بارے میں تم کیا جانتے ہو ؟ سلطان حسین کی آپ نے کس طرح مدد کی ؟
۴۔ آپ کی کن غلطیوں کے باعث لوگوں کو ان کے خلاف فتنہ کھڑا کرنے کا موقع ملا ؟
۵۔ آپ پر اور آپ کی مہدوی تحریک پر عموماً کس طرح کے اعتراضات کیے جاتے تھے ؟
۶۔ گجرات میں کیا واقعہ پیش آیا ؟
۷۔ آپ قندھار کیوں گئے ؟ وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ؟
۸۔ فراہ میں آپ کے خلاف کیا کارروائی عمل میں آئی ؟ نتیجہ کیا ہوا ؟
۹۔ آپ کے آخری ایّام کے متعلق تم کیا جانتے ہو ؟
۱۰۔ آپ کے بعد مہدوی تحریک کا کیا حال رہا ؟
۱۱۔ شیخ علائی کے متعلق تم کیا جانتے ہو ؟ آپ کی شہادت کس طرح ہوئی ؟
۱۲۔ عبداللہ خاں نیازی پر کیوں عتاب ہوا ؟
۱۳۔ اِس تحریک سے کیا فائدے پہنچے ؟ بعد میں یہ تحریک کیوں ختم ہو گئی ؟
۱۴۔ آجکل اس کے علم بردار کہاں کہاں پائے جاتے ہیں ؟ ان کا اب کیا حال ہے ؟
۱۵۔ اِس تحریک کا سب سے زیادہ درپے کون رہا ؟ اس نے کس طرح نقصان پہنچایا ؟

باب ۵

بابر اور خاندانِ مغلیہ

بابر کا اصل نام ظہیر الدین تھا ترکی زبان میں بابر شیر کو کہتے ہیں۔ وہ اپنی بے مثل شجاعت اور دلیری کے باعث اسی نام سے پکارا جانے لگا۔ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ باپ کی طرف سے وہ بدنامِ زمانہ تیمور اور ماں کی طرف سے خونخوار مغل چنگیز کا رشتہ دار تھا۔ شجاعت اور دلیری تو اُسے ان دونوں سے ورثے میں ملی تھی لیکن طبیعت و اخلاق میں بابر اپنے ان اسلاف سے بالکل مختلف تھا۔ تیمور کے متعلق تو تم جانتے ہو کہ وہ نسلاً ترک تھا پھر بھی چنگیز جیسے درندے سے اپنے کو منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتا تھا۔ اس کے برعکس بابر اپنے کو ترک کہتا اور مغل کہلوانا پسند نہ کرتا کیونکہ اس لفظ سے خونخواری، غارتگری، کفر و طغیان کی جو بُو آتی تھی، وہ بابر کو کسی طرح گوارا نہ تھی۔ اس کے باوجود وہ مغل اور ہندوستان میں مغل سلطنت کے بانی کی حیثیت سے مشہور ہوا۔

ابتدائی حالت بابر کا باپ عمر شیخ مرزا فرغانہ کی چھوٹی سی ریاست کا حکمران تھا۔ بابر اپنے سن کے بارہویں سال میں داخل ہوا تھا، ابھی کھانے کھیلنے اور پڑھنے لکھنے کے دن تھے کہ اُس کا باپ چل بسا اور تُرک جیسی لڑاکو قوم کی سربراہکاری بابر کے کمزور کاندھوں پر آپڑی۔ فرغانہ کی ریاست اِن دنوں ہر طرف خطرات سے گھری ہوئی تھی۔ خود اُس کے اعزا اُس کے دشمن ہو رہے تھے اور اُسے بچہ سمجھ کر ریاست ہڑپ کر لینے کی فکر میں تھے۔ مگر بابر لڑکا تھا حوصلہ مند، منتظم اور بہادر، اُس نے باگ ڈور سنبھال ہی لی اور اپنی نانی کے مشورہ سے جسے وہ اپنے وقت کی سب سے عقل مند خاتون شمار کرتا تھا، اپنے فرائض انجام دینے لگا۔ اس دوران میں جتنے حملے ہوئے بابر نے ان کا مُنہ توڑ جواب دیا چنانچہ دشمنوں کی ہمتیں پست ہوگئیں اور حالات بہت جلد معمول پر آنے لگے۔

سمرقند پر حملہ تیمور کے بعد رفتہ رفتہ اس کی وسیع مملکت کے حصے بخرے ہوگئے تھے۔ اس کے وُرثاء میں سے جس کے جہاں سینگ سماتے وہیں قابض ہو جاتا اور اپنی مملکت کو وسیع کرنے کے لیے اپنے ہی خاندان والوں سے کشمکش چھیڑ دیتا تھا۔ ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح سمرقند کے تخت پر قابض ہو کر تیمور کی وسیع سلطنت پر حکمرانی کرے۔ دوسرے تیموری شہزادوں کی طرح بابر کے دِل میں بھی یہی تمنّا چٹکیاں لیتی تھی۔ بابر کو باگ ڈور سنبھالے ابھی کچھ ہی دِن ہوئے تھے کہ سمرقند کے والی کا انتقال ہوگیا۔ بابر نے موقعہ سے فائدہ اُٹھانا چاہا چنانچہ فرغانہ کا انتظام اپنے وزیر کے حوالے کیا اور خود حملہ کر کے سمرقند پر قابض ہوگیا۔ سمرقند میں ابھی چند ہی دن قیام کیا تھا کہ وہ بیمار

پڑا اور دن بدن حالت نازک ہوتی گئی۔ اُس کے وزیر نے جو یہ حال سُنا تو اس کی صحت کی طرف سے مایوس ہوکر دشمنوں سے مل گیا اور فرغانہ کی ریاست بابر کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ بابر کی نانی نے تمام حالات سے مطلع کیا۔ بابر علالت کی پروا کیے بغیر سمرقند چھوڑ کر فرغانہ کے لیے روانہ ہوگیا مگر بے سُود، یہاں دشمنوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اب بابر عجیب کشمکش میں پڑا، سمرقند اور فرغانہ دونوں اس کے ہاتھ سے جاتے رہے اور وہ خانماں برباد اِدھر اُدھر مارا مارا پھرنے لگا۔ اُس نے بیس سال مسلسل کوشش کی، طرح طرح کے دُکھ جھیلے مگر حریفوں کے سامنے ایک نہ چلی اور وہ اپنے وطن کی طرف سے ایک حد تک مایوس ہوگیا۔

کابل پر قبضہ

اتفاق سے ان دنوں کابل میں بڑی بدنظمی تھی، وہاں کے حکمرانوں کو قتل کرکے خسرو نامی ایک شخص قابض ہوگیا تھا۔ اُمرائے سلطنت اسے غاصب سمجھتے تھے چنانچہ ۱۵۰۴ء میں ان لوگوں نے بابر کی مدد کرکے کابل پر اس کا قبضہ کرا دیا۔ بابر نے رفتہ رفتہ غزنی، قندھار، اور ہرات وغیرہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اِس طرح مُدّتوں خاک چھاننے کے بعد مالک الملک نے اسے ایک مملکت کی حکمرانی کا موقع دیا۔ بیس سال کی مسلسل پریشانیوں کے بعد حکومت ملی تھی، خیال تو یہ تھا کہ بابر شکر گزار بندہ بن کر رہے گا مگر کچھ ہی عرصہ بعد وہ رنگ رلیوں میں پھنس گیا۔ رعایا کی گاڑھی کمائی سے اپنے لیے پُرتکلف محل بنوائے انہیں طرح طرح سے آراستہ کرایا، اور اپنے اُمرائے سلطنت کے ساتھ شراب وکباب کے مزے لُوٹنے لگا۔ اس کی حرکات وسکنات ہی سے نہیں بلکہ زبان سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ آخرت کی باز پُرس سے بے نیاز ہوکر وہ دُنیا

ہی ہیں جنّت کے مزے لوٹ لینا چاہتا ہے۔ ؎

بابرؔ بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

مگر اللہ تعالیٰ تو رحمٰن و رحیم ہیں، گرفت سے پہلے اپنے بندوں کو سنبھلنے کی مہلت دیتے ہیں چنانچہ بابر کو بھی ڈھیل ملی اور دہلی کے تخت پر بھی اس کا قبضہ ہوگیا۔

بابرؔ کے پیش رو حملہ آور ہندوستان میں قیام کے ارادے سے نہیں بلکہ لوٹ مار کی غرض سے آتے تھے چنانچہ موقع ملتا تو نہایت بے دردی سے لوٹ مار کرتے۔ مگر بابر مُستقل قیام کی غرض سے آیا تھا اس لیے لُوٹ مار کے بجائے اپنے حُسنِ سلوک اور فیاضی سے ہندوستانیوں کا دل ہاتھ میں لینے کی کوشش کرنے لگا۔

جنگِ خانوہ (کنواہہ)

رانا سانگا اور دُوسرے افغان اُمراء و شاہزادگان جنہوں نے بابرؔ کو حملے کی دعوت دی تھی ان کا خیال تھا کہ اپنے پیش رو مغلوں کی طرح بابر بھی لوٹ مار کرکے واپس چلا جائے گا اور ابراؔہیم کا زور ٹوٹ جانے کے بعد ہم مزے سے قبضہ کرلیں گے۔ مگر جب بابرؔ نے اپنے ساتھیوں کو مُستقل قیام پر آمادہ کرلیا تو ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اب افغان اُمراء اپنے کیے پر پچھتائے اور مغلوں کو مار بھگانے کے ساز باز کرنے لگے مگر بابرؔ نے چند ہی دِنوں میں اپنے بیٹے ہمایوںؔ کے ذریعے ان کے کس بل نکال دیئے اور جونؔ پور تک سارے مخالفین کا قلع قمع ہوگیا۔

اِدھر راؔنا سانگا (رانا سنگرام سنگھ) راجپوتانہ کے متعدد راجاؤں کو

امداد پر ابھار کر اسّی ہزار سوار، پانچ سو جنگی ہاتھیوں کا لشکر فراہم کر کے بابرؔ سے مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ سکندر لودی کا بیٹا محمودؔ اور دوسرے مسلمان اُمراء بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر رانا سانگا سے مل گئے اور سب نے متحدہ محاذ بنا کر مغلوں کو نکال دینے کی ٹھانی۔ رانا سانگا کی بہادری کا ڈنکا بج رہا تھا وہ نہایت جنگجو سُورما تھا، متعدد لڑائیوں میں شرکت کر کے اپنا ایک ہاتھ ایک آنکھ اور ایک پاؤں جنگ کی نذر کر چکا تھا۔ اس کے جسم پر زخم کے کم و بیش اسّی نشانات تھے۔ اب جو اتنے لاؤ لشکر کے ساتھ وہ آگے بڑھا تو مغل سپاہیوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ مقامی فوجی اور امراء ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑنے لگے۔ صرف بارہ ہزار فوج لے کر تو بابرؔ آیا ہی تھا اس میں بھی کچھ کمی آگئی تھی اور فوجیوں میں وہ دم خم بھی باقی نہ رہا تھا۔ اتنی قلیل فوج سے رانا سانگا کا مقابلہ کتنا دشوار کام تھا۔ چنانچہ بابرؔ کو بھی ساری رنگ رلیاں بھول جانا پڑیں۔ لگا بارگاہِ ایزدی میں رونے گڑگڑانے اور اپنے سابقہ گناہوں کی معافی مانگنے۔ اللہ نے اُسے سنبھلنے کی توفیق دی، اُس نے شراب خوری سے توبہ کی شراب کے سارے قیمتی برتن تڑوا کر سونا چاندی غریبوں میں تقسیم کرادیا۔ حال ہی میں غزنی سے کئی اونٹ انگور کی شراب منگوائی تھی اس میں نمک ڈال کر سرکہ بنوا دیا۔ اپنے عیش و عشرت کے لیے بعض غیر شرعی محصُول وصول کرتا تھا وہ بھی معاف کر دیئے اور مستقبل میں پاکیزہ زندگی گزارنے کا تہیّہ کر لیا۔ اس کے بعد اپنے امیروں اور سرداروں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور بولا۔

"میرے بہادر رفیقو! بقاؑ و دوام تو صرف اللہ کے لیے ہے، باقی سارے جہان کو فنا ہونا ہے۔ جس نے بھی ماں کا پیٹ دیکھا ہے اسے قبر کا پیٹ بھرنا ہے جو دنیا میں آیا ہے اُسے ایک دن ضرور جانا ہے۔ بدنام ہو کر جینے سے نیک

نام ہوکر مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اُس نے ہمیں یہ سعادت بخشی ہے کہ اُس کی راہ میں مارے جائیں تو شہادت کا درجہ نصیب ہو اور زندہ رہیں تو غازی کہلائیں۔ آج سب حلف اُٹھاؤ کہ کوئی موت سے نہیں بھاگے گا اور جیتے جی لڑائی سے مُنہ نہ پھیرے گا۔"

فوج پر اُس کی تقریر نے جادُو کا اثر کیا۔ سب کی ہمتیں بڑھ گئیں، ہر چھوٹے بڑے نے قرآن لے کر لڑنے کی قسم کھائی اور مُغل فوج مُجاہدانہ اسپرٹ سے آگے بڑھی آگرہ سے کوئی بیس میل دُور خانوہ کے قریب مُڈبھیڑ ہوئی۔ مُغل جی جان سے لڑے۔ اُن کے پاس فوج تو بہت تھوڑی تھی مگر توپ و تفنگ اور جدید ترین آتشیں اسلحہ کے سامنے حریفوں کی ایک نہ چلی، ہزاروں آدمی مارے گئے۔ آخر ہمّت ٹوٹ گئی اور مقابلے کی تاب نہ لاکر سب بھاگ کھڑے ہوئے رانا سانگا بھی بُری طرح زخمی ہوا مگر ساتھیوں کی مدد سے بچ نکلا۔ دو سال بعد اُس کے کسی ساتھی نے زہر دے کر مار ڈالا۔

اللہ کی مشیّت، قِلّتِ تعداد کے باوجود بابر کو کامیابی نصیب ہوئی، مگر فتح کی خوشی میں اُس نے بعض بے اعتدالیاں بھی شروع کر دیں مثلاً مقتولین کے سروں سے میدان جنگ ہی میں اُس نے مینارہ بنوایا اور اِس طرح اپنے پیشرو ظالم چنگیز کی سُنّت زندہ کی۔

راجپوتوں اور افغانوں سے مزید ٹکّر

اِس جنگ نے مخالفوں کی کمر توڑ دی، افغانوں کا بھرم تو پہلے ہی کُھل چکا تھا، راجپوتوں کی ساکھ بھی ختم ہوگئی۔ خانوہ سے فارغ ہو کر بابر آگرہ اور دہلی کے نواحی اضلاع کا انتظام درست کرنے میں مصروف ہوا۔ اسی دَوران اُسے اطلاع ملی کہ راجپوتوں کا

لُٹا پٹا قافلہ، چندیری کے راجہ میدنی راے کی قیادت میں اپنی قوت مجتمع کرکے پھر مقابلے کی تیاری کر رہا ہے۔ بابر نے ان کی رہی سہی قوت توڑنے کے لیے فوج کشی کر دی۔ راجپوت مقابلے کی تاب نہ لا سکے اور کامیابی کی طرف سے مایوس ہو کر حسبِ معمول اپنے اہل و عیال کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیا اور مرنے کے لیے نکل پڑے تھوڑی دیر میں فیصلہ بابر کے حق میں ہو گیا۔

اِدھر محمود لودی کنواہہ سے بھاگ کر شمالی بہار پہنچا اور پٹھان سرداروں کو جمع کرکے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ بنگال کا سلطان نُصرت شاہ محمود کا بہنوئی تھا وہ محمود کی پُشت پناہی کر رہا تھا۔ بابر کو اطلاع ملی تو وُہ چندیری سے سیدھا بہار پہنچا۔ گھاگھرا اور گنگا کے سنگم پر دونوں کی فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ دو دن کی شدید جنگ کے بعد محمود شکست کھا کر ہٹ گیا، نُصرت شاہ بھی اطاعت قبول کرنے پر مجبور ہوا۔ اتفاق سے بابر کی طبیعت ناساز ہو گئی اور اسے آگرہ واپس آنا پڑا یہاں کئی ماہ کی علالت کے بعد دسمبر ۱۵۳۰ء میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

بابر کی وفات

بابر کی وفات کے ضمن میں ایک عجیب روایت مشہور ہے۔ کہتے ہیں آگرہ واپس آنے پر پتہ چلا کہ اس کا چہیتا بیٹا ہمایوں سنبھل میں سخت علیل ہے، اس نے دوا علاج کی خاطر بیٹے کو آگرہ بُلا لیا چونکہ سفر کا بیشتر حصّہ اسے کشتی پر طے کرنا پڑا اس لیے ٹھنڈ کے سبب آگرہ پہنچتے پہنچتے اُسے سرسام ہو گیا اور حالت دن بدن نازک ہوتی گئی۔ بابر نے ہر ممکن تدبیر کی مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخری چارۂ کار صرف اللہ سے دُعا اور اُس کی راہ میں عزیز ترین چیز جان کا صدقہ نظر آیا۔ بابر نے روزہ

رکھا۔ گڑگڑا کر دُعا مانگی، اور مریض بیٹے کی چارپائی کے گرد طواف کرکے عرض کیا "اے اللہ میرے بیٹے کو صحت دے، وُہ اُٹھ کھڑا ہو اور اس کے عوض میری جان لے لے۔" کہتے ہیں اُسی دن سے ہُمایوں رفتہ رفتہ تندرست ہونے لگا اور بابر کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی اور بالآخر اسی بیماری نے اس کا کام تمام کردیا۔ اِس طرح دُوسروں کی جان بچانے کے لیے اپنے کو خطرہ میں ڈال دینے والا سُلطان آخر میں اپنے محبُوب بیٹے کی جان بچانے کے لیے قُربان ہوگیا۔

بابر کا وصیّت نامہ

مرتے وقت بابر نے ہمایوں کو وصیّت کی "فرزندِ من! ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اُس نے تمہیں اِس ملک کا بادشاہ بنایا ہے، اپنی فرمانروائی میں تمہیں ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے:

(۱) مذہبی تعصّب کو اپنے دل میں جگہ مت دو، لوگوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی رسُوم کا خیال رکھتے ہوئے رُو رعایت کے بغیر سب قوموں کے ساتھ پُورا انصاف کرو۔

(۲) گاؤکُشی سے بالخصوص پرہیز کرو تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکریہ کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہوجائیں۔

(۳) تمہیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہیئے اور ہمیشہ سب سے پُورا انصاف کرنا چاہیئے تاکہ بادشاہ اور رعیّت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن وامان رہے۔

(۴) اسلام کی اشاعت ظلم وستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف واحسان کی تلوار سے زیادہ بہتر طریقہ پر ہو سکے گی۔

(۵) شیعہ سُنّی اختلافات کو ہمیشہ نظرانداز کرتے رہو، کیونکہ اس سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔

(۶) اپنی رعایا کی مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھو تاکہ حکومت بیماری اور ضعف سے محفوظ رہ سکے۔

بابر کے اس وصیت نامہ سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے سوچنے کا ڈھنگ کیا تھا۔ اس نے بھائیوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی بھی تاکید کی تھی۔

ایک عجیب واقعہ

آج سے کوئی چار سو سال پہلے کا واقعہ ہے، صبح کا وقت تھا، ناشتہ پانی سے فارغ ہو کر لوگ اپنے کام کاج پر لگ چکے تھے۔ آگرہ میں شاہی محل کے قریب سڑک پر ایک مہترانی گود میں بچہ لیے جھاڑو دے رہی تھی۔ سڑک کے کنارے ایک ہتھیاربند راجپوت چکر لگا رہا تھا وہ دراصل سُلطانِ وقت پر حملہ کرنے کی تاک میں تھا کیونکہ سلطان سے جنگ میں اس کا باپ مارا گیا تھا اور نتیجے میں اس کی ریاست بھی ضبط کرلی گئی تھی۔ اتفاق سے ایک مست ہاتھی چھوٹ گیا۔ ہاتھی کے خوف سے آنے جانے والے اِدھر اُدھر چھپنے لگے۔ اتنے میں ہاتھی مہترانی کی طرف لپکا۔ ماتا کی ماری مہترانی بیچاری بے حد پریشان ہوئی۔ اُسے اپنے سے زیادہ اپنے بچے کی تھی۔ اس کے منہ سے بیساختہ ایک درد بھری چیخ نکلی "ہائے میرا بچہ۔ کوئی ہے جو میرے بچے کو بچائے۔"

دُکھی انسانیت کی اس چیخ پُکار نے راجپُوت نوجوان کو متاثر تو کیا مگر چھوت چھات کے جُھوٹے فرق و امتیاز نے اس کے ضمیر کی آواز کو مُردہ کر دیا تھا چنانچہ یہ سوچ کر کہ "میں اعلیٰ ذات کا راجپُوت ہوں، مہترانی کے بچّے کو کیوں کر چھوؤں" وہ نوجوان کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔ مہترانی کی آواز سُلطانِ وقت کے کان میں بھی پڑی، وہ گُرز لے کر محل سے کُودا اور ہاتھی کے سر پر اس زور سے مارا کہ اُس کا منہ پھر گیا۔ ہاتھی بھاگا اور سُلطان بچّے کو گود میں اُٹھا کر محل کے اندر چلا گیا۔ راجپوت نوجوان نے بادشاہ کی بہادری اور رعایا پروری دیکھی تو اپنے ارادے سے باز آ گیا اور خُود کو بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے اُسے معاف کر کے اُس کے باپ کی ریاست اُسے واپس کر دی۔ یہ تھا بابر ہندوستان کا پہلا مُغل بادشاہ۔

اُس نے بچپن میں بھی اپنی جان پر کھیل کر اپنے خادم کے بچّے کو دریا میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔ واقعہ یوں ہے۔ بابر ابھی بچّہ تھا، اس کا وفادار ملازم اسے ٹہلانے کے لیے دریا کے قریب لے گیا۔ بابر کے ساتھ ملازم کا بچّہ بھی تھا۔ دونوں بچّے دریا میں پاؤں لٹکائے کھیل رہے تھے، اتفاق سے ملازم کا بچّہ پھسل کر دریا میں جا رہا، ملازم دُور تھا۔ بابر نے اُسے آواز دی اور خود دریا میں کُود کر بچّے کو سنبھالنے لگا۔ اس کے بچانے کی فکر میں بابر کو اپنی جان کی پرواہ نہ رہی۔ بڑی محنت سے بچّے کو پانی سے اُوپر نکالا پھر ملازم نے مدد کی اور اس طرح دونوں صحیح سالم نکل آئے۔

بابر کے اوصاف اسلام کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو بابر کو کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے پھر بھی مُسلمان سلاطین میں وہ ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ وہ اتنا طاقتور تھا کہ دونوں بغلوں میں ایک ایک جوان آدمی کو

داب کر قلعہ کی فصیل پر دوڑ سکتا تھا۔ بچپن ہی سے مزاحمتوں کا مقابلہ کرتے کرتے اتنا جری اور بہادر ہوگیا تھا کہ بڑی سے بڑی مہم میں بھی ہاتھ ڈال دیتا اور قلیل سازو سامان کے باوجود کامیابی اس کے قدم چومتی۔ جفاکش تو اتنا تھا کہ ایک ایک دن میں سَو سَو میل کا سفر گھوڑے پر طے کرلیتا اور پھر بھی تکان سے بدحال نہ ہوتا۔ کتنا ہی چوڑا دریا سامنے آجائے اُسے تیر کر پار کرلینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

طاقت و شجاعت کے ساتھ ساتھ وہ بہت بڑا عالم، شاعر، اور مصنّف بھی تھا۔ "تزکِ بابری" ترکی زبان میں اس کی بہت مشہور و معروف تصنیف ہے۔ متعدّد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور اب تک لوگ اسے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس کتاب میں اُس نے اپنی سرگزشت نہایت دلچسپ انداز سے لکھی ہے۔

بابر صرف جنگجو سُورما ہی نہیں تھا بلکہ اپنے سینے میں ایک دردمند دل بھی رکھتا تھا۔ اپنے اعزّہ و اقارب کے ساتھ ہمدردی تو ایک فطری بات ہے وہ دُوسروں کی جان بچانے کے لیے بے تکلّف اپنی جان پر کھیل جاتا تھا۔

خوشنویسی میں بھی اُسے مہارت تھی۔ قرآن مجید کے کئی نسخے خوشخط نقل کرکے مکّہ معظّمہ بھجوائے تھے۔ جنگِ کنواہہ سے پہلے تو اُس کے اعمال و عقائد میں بہت کمزوریاں پائی جاتی تھیں مگر اس موقعہ پر جو اُس نے صدقِ دل سے توبہ کی ہے تو پھر باقی زندگی بہت حد تک کمزوریوں سے پاک رہی۔ نماز روزے کا وہ برابر پابند رہا اور ہر جمعہ کو پابندی سے روزہ رکھتا تھا۔

ہندوستان میں اُس نے اپنے پاؤں تو جما لیے تھے، مگر یہاں کے مناظر، لوگوں کے رہن سہن اور اخلاق، یہاں کے موسم وغیرہ کا وہ برابر شاکی رہا اور اگرچہ

جسم اس کا ہندوستان میں تھا مگر دل آخری وقت تک اپنے وطن ہی میں لگا رہا۔ مرنے کے بعد اس کی وصیت کے مطابق لاش کابل بھجوادی گئی جہاں وہ نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ دفن ہُوا۔

بابؔر کے بعد

بابؔر کا ہند میں چار سالہ قیام لڑنے بھڑنے ہی میں گزر گیا۔ بظاہر اپنے دو بڑے حریف یعنی لودیوں اور راجپوتوں کو اُس نے میدان سے ضرور ہٹا دیا تھا مگر بابؔر کی اس کامیابی میں زیادہ ہاتھ خود اس کے حریفوں کی اندرونی کمزوریوں اور افغان سرداروں کی کوتاہیوں کا تھا۔ اقتدار کھو چکنے کے بعد افغانوں کی آنکھیں کھُل گئی تھیں، وہ دلی سے دُور گجرات اور بہار وغیرہ میں پناہ لے کر مغلوں کو نکالنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ بابؔر کے ابھی متعدد حریف باقی تھے کہ وہ چل بسا۔ اس کے بعد اس کے نوجوان بیٹے ہمایوؔں کو راج گدّی سنبھالنی پڑی۔ ملک میں ہر طرف انتشار، دشمن چاروں طرف گھات میں اور ہمایوؔں تیئیس سال کا ناتجربہ کار چنانچہ اس کے لیے راج گدّی کانٹوں کی سیج بن گئی۔ دشمن تو خیر دشمن ہی تھے ہمایوؔں کے بھائی الگ اس کے لیے دردِ سر ثابت ہوئے۔ ہمایوؔں کا ایک بھائی کامرؔان تھا۔ بابؔر نے اسے کابل و قندھار کا حکمران مقرر کیا تھا۔ ہمایوؔں کے تخت نشین ہوتے ہی وہ مبارکباد دینے کے بہانے فوج لے کر آیا اور دھوکے سے پنجاب پر قابض ہو گیا۔ باپ کی وصیت کا خیال کر کے ہمایوؔں نے رعایت کی اور جنگ کرنے کے بجائے پنجاب پر اس کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ اِدھر گجرات کے والی بہادؔر شاہ نے لودی سرداروں اور بعض باغی مغلوں کو پناہ دے رکھی تھی اور ہمایوؔں کے خلاف ان کی پُشت پناہی کر رہا تھا۔ ابراہیم لودی کا چچا علاؤالدؔین جس نے بابؔر کو حملے کی ترغیب دی تھی اب وہ بھی

بہادر شاہ کی مدد سے مغلوں کو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا یہاں تک کہ اس کا بیٹا تاتار خاں
ایک فوج لے کر آگرہ کے قریب بیانہ تک بڑھ آیا تھا۔ ہمایوں نے سب سے پہلے ان ہی
حریفوں سے نمٹنے کی ٹھانی۔ بہادر شاہ نے اس وقت تک مالوہ اور چتوڑ فتح کر کے اپنی
مملکت کافی وسیع کر لی تھی۔ ہمایوں نے بہادر شاہ پر حملہ کیا منڈسور کے قریب مقابلہ
ہوا۔ بہادر شاہ نے کافی تیاری کر لی تھی مگر مغلوں نے ناکہ بندی کر کے رسد
روک دی، گجرات کی بھوکی پیاسی فوج رفتہ رفتہ منتشر ہونے لگی، بہادر شاہ مقابلہ
کی تاب نہ لا سکا اور رات کی تاریکی میں بھاگ نکلا۔ ہمایوں نے پیچھا کیا مالوہ پر
قبضہ کرنے کے بعد رفتہ رفتہ اُس نے پُورا گجرات لے لیا۔ بہادر شاہ نے بھاگ کر جزیرہ
دیو میں پناہ لی۔ یہ جزیرہ اُس نے پرتگالی تاجروں کو دیا تھا۔ پرتگالیوں نے پناہ
دینے کے بعد دھوکے سے اُسے قتل کر دیا۔

ہمایوں کو اس مہم میں کم و بیش پانچ سال لگ گئے۔ اسے اتنی مدت تک غافل پاکر
بہار کے افغان شیر خاں نے بہار اور بنگال پر اپنا قبضہ کر لیا اور مغلوں کو مار بھگانے کا منصوبہ
بنانے لگا۔ ہمایوں نے گجرات تو اپنے دُوسرے بھائی عسکری کے حوالے کیا اور خود ایک
زبردست فوج لے کر بنگال پر چڑھائی کی۔ شیر خاں راستے سے ہٹ گیا۔ مغل فوجوں نے
بے روک ٹوک بنگال کے دارالحکومت گوڑ پر قبضہ کر لیا اور فتح کی خوشی میں رنگ رلیاں
منانے لگیں۔ اب شیر خاں نے پلٹ کر راستے کے تمام قلعوں پر قبضہ کر لیا اور شاہی
فوج کی گھات میں بیٹھ گیا۔ واپسی پر مغلوں کو ۱۵۳۹ء میں چوسہ کے مقام پر گھیر کر
بُری طرح شکست دی۔ ہمایوں جان بچا کر بھاگا اس کی عدم موجودگی میں
عسکری نے اپنی نااہلی سے گجرات کھو دیا تھا۔ اِدھر دوآبہ کا حکمران اس کا تیسرا بھائی

ہندال تھا اُس نے بھی بیوفائی کی۔ ہمایوں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا، کہیں پناہ نہ مِل سکی بالآخر بھاگ کر ایران پہنچا اور ہندوستان پر شیر خاں کا قبضہ ہو گیا۔

۱۔ ہند میں مغل سلطنت کا بانی کون تھا؟ ہند پر اُس نے کس طرح قبضہ کیا؟

۲۔ بابر کی ابتدائی زندگی کس طرح گزری؟ وہ کابل پر کس طرح قابض ہوا؟

۳۔ جنگ کنواہہ پر ایک مضمون لکھو۔ مندرجہ ذیل عنوانات پیشِ نظر رہیں؛

سن، فریقین، اسباب، حالات، نتیجہ۔

۴۔ راجپوتوں کا زور توڑنے کے لیے بابر نے کیا کیا؟

۵۔ افغانوں سے اس کی مزید ٹکر کا حال بتاؤ۔

۶۔ بابر کی وفات کس طرح ہوئی؟

۷۔ مرتے وقت بابر نے کیا وصیت کی تھی؟ اس سے بابر کی سیرت پر کیا روشنی پڑتی ہے؟

۸۔ "دوسروں کی جان بچانے کے لیے بابر اپنے کو بے تکلف خطرے میں ڈال دیتا تھا۔" واقعات سے اِس حقیقت کے لیے ثبوت فراہم کرو۔

۹۔ بابر کی سیرت اور کارناموں پر روشنی ڈالو۔

۱۰۔ بابر کے بعد کیا ہوا؟ ہمایوں کا اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا سلوک رہا؟ بھائیوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟

۱۱۔ شیر شاہ اور ہمایوں کی ٹکر کا حال بتاؤ۔

۱۲۔ مندرجہ ذیل سنین کیوں مشہور ہیں؟

۱۵۰۴ء، ۱۵۲۲ء، ۱۵۲۶ء، ۱۵۳۰ء، ۱۵۴۰ء

۱۳۔ بابر اپنے پیش رو مغلوں کے برعکس ہندوستان میں قیام کے لیے حملہ آور ہوا تھا۔ وضاحت کرو۔

شاخ سور قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اس کے دادا گھوڑے کی تجارت کرتے ہوئے ہندوستان آئے تھے ۔لیکن فرید کے باپ حسن خاں نے تجارت ترک کرکے سپہ گری اختیار کرلی اور اپنی فوجی خدمات کے عوض سہسرام کی چھوٹی سی جاگیر کا مالک بنادیا گیا۔ فرید خاں وہیں ۱۴۸۶ء میں پیدا ہوا۔خاندان کا یہ چشم و چراغ بچپن ہی سے بہت ہونہار تھا مگر نادان باپ نے اس ہیرے کی قدر نہ کی ۔سبب یہ تھا کہ حسن خاں نے ایک ہندی باندی سے شادی کرلی اوراس پر اتنا لٹو ہوا کہ فرید خاں اور اس کی ماں سے طوطا چشمی برتنے لگا ۔ فرید خاں اپنی سوتیلی ماں کے بُرے برتاؤ اور اپنے باپ کی ناروا تغافل سے عاجز آگیا تھا اس کی زندگی اجیرن ہوگئی تھی ، نہ تو پرورش پرداخت کا کوئی معقول انتظام تھا اور نہ تعلیم وتربیت کا۔ ذہین بیٹا اپنا بُرا بھلا سمجھنے لگا تھا۔ اپنی زندگی کے ان بیش قیمت لمحات کو ضائع کرنا اس نے پسند نہ کیا اور قسمت آزمانے کے لیے گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ اُس وقت جون پور تعلیم وتربیت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ ایک سے ایک قابل ولائق علماء وہاں اپنی خدمات سے لوگوں کو فیض پہنچاتے تھے۔ فرید خاں بھاگ کر جون پور پہنچا اور دینی مدارس کے غریب طلبہ کی طرح تعلیم و تربیت حاصل کرنے لگا۔ ذہین اور محنتی تو تھا ہی چند ہی دنوں میں قرآن و حدیث اور مختلف علوم و فنون کا ماہر ہوگیا، تاریخ سے تو اُسے بے حد لگاؤ تھا۔ قوموں کے عروج و زوال اور مملکتوں کے بننے بگڑنے کے فطری قوانین کا اس نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔اس کی ذہانت اور فرض شناسی دیکھ کر جون پور کے حاکم نے اسے اپنے یہاں ملازم رکھ لیا۔ دس سال بعد باپ کی آنکھیں کھُلیں ۔ہندی باندی کے فریب میں پھنس کر وہ اپنی

جاگیر کا انتظام چوپٹ کر چکا تھا۔ جب حالات قابو سے باہر ہوگئے تو جونپور جا کر بیٹے کو منا لایا اور جاگیر کا پورا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔

جوانی

اب اُسے اپنا جوہر قابل دکھانے کا موقع ملا۔ چند ہی دن میں اُس کے حسنِ سلوک اور معقول انتظام کے باعث کاشتکار اُس کی مٹھی میں آگئے۔ اب اُس نے ایک چھوٹی سی فوج تیار کر لی اور سرکش زمینداروں کو اطاعت پر مجبور کیا۔ سات آٹھ سال میں اُس نے اس جاگیر کا اتنا معقول انتظام کر دیا کہ سب لوگ خوش و خُرّم رہنے لگے۔ پیداوار اور آمدنی بہت بڑھ گئی اور امن و سکون بحال ہوگیا۔ اس طرح گویا قُدرت نے فریدؔ خاں کو چھوٹے پیمانے پر ان فرائض کو انجام دینے کی عملی تربیت کا موقع فراہم کر دیا، جنہیں چند سال بعد ہندوستان کے فرمانروا کی حیثیت سے اُسے انجام دینا تھا اور اس میں شک نہیں کہ اس شکر گزار بندے نے اس موقعہ سے پُورا فائدہ اُٹھایا اور اپنی صلاحیتیں اُجاگر کر لیں۔

باپ بُوڑھے ہو چکے تھے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے فریدؔ کو پھر وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ برادرانِ یوسفؑ کی طرح ان لوگوں نے تو بھائی کے حق میں کانٹے بوئے اور اسے جائداد سے محروم کرنا چاہا مگر اس مرتبہ گھر چھوڑنا فریدؔ کے شاندار مُستقبل کا ایک زینہ ثابت ہُوا۔ وہ یہاں سے دہلی گیا۔ ابراہیم لودی کا زمانہ تھا۔ ابراہیم کی سخت مزاجی اور امرار کی بے اطمینانی اور بددلی کے باعث ملک میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ مُفسدوں نے سر اُٹھا رکھا تھا۔ رائے سینؔ کا پورنؔ مل ڈاکو سب پر بازی لے گیا تھا۔ اُس نے لُوٹ مار اور غارتگری سے ہزاروں گھر تباہ کر دیے تھے۔ دو ہزار ہندو مُسلم خواتین

کو ناچنے گانے والیوں میں شامل کر رکھا تھا۔ مظالم سے تنگ آکر متعدد لوگ لٹے پٹے دہلی آکر بادشاہ سے فریاد کرتے تھے مگر اُن کی آہ وزاری صدا بہ صحرا ثابت ہوتی۔ ابراہیم تغافل برتتا اور کوئی شنوائی نہ کرتا۔ اس دردناک منظر نے شیرشاہ کو بے حد متاثر کیا، اس کے دل سے بے ساختہ یہ آواز نکلی" اگر حق تعالیٰ نے مجھے طاقت بخشی تو میں ان مظلوموں کا بدلہ ظالموں سے لے کر رہوں گا۔" مگر ایک نوجوان سپاہی تنہا کر ہی کیا سکتا تھا۔ وہاں سے واپس آکر بہار کے صوبہ دار کے یہاں ملازمت کرلی اور حالات کے سازگار ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اتفاق سے اُسی دوران میں ابراہیم لودی مارا گیا اور سلطنت دہلی پر بابر کا قبضہ ہوگیا۔

جنگ کنواہہ میں بابر کی شاندار کامیابی اور اس موقعہ پر اس کی صدق دلی سے توبہ اور مستقبل میں پاکیزہ زندگی کے عزم کا حال فرید خاں نے بھی سُنا اور اب جو بابر نے راجپوتوں کی بچی کھچی طاقت کو ختم کرنے کے لیے چندیری پر حملہ کا ارادہ کیا تو فرید خاں بھی بڑی تمنّاؤں کے ساتھ بابر کی فوج میں داخل ہوا۔ یہاں اُسے مُغلوں کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مُغلوں کی نفس پروری، عیش پسندی، اور غیر اسلامی زندگی نے فرید خاں کو بالکل مایوس کردیا۔ اسے اب یہ قطعاً توقع نہ رہی کہ ایسے غیر صالح عناصر کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی اس سرزمین پر کوئی صالح انقلاب برپا ہوسکے گا۔ چنانچہ مغلوں سے اس کا دل کھٹّا ہوگیا اور انہیں نکال کر خود عنانِ حکومت سنبھالنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ آگرہ سے واپس ہوکر وہ بہار پہنچا۔ بہار کے والی محمود خاں لوہانی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی، اسے اپنے مصاحبینِ خاص میں شامل کیا۔ یہیں کا واقعہ ہے، ایک دن وہ لوہانی کے ساتھ

شکار کو گیا۔ سوئے اتفاق ایک شیر نکلا اور لوہانی پر حملہ آور ہوا۔ فرید خاں پیدل تھا۔ اُس نے پھُرتی سے تلوار سنبھالی اور تلوار ہی سے شیر کے دو ٹکڑے کر دیے۔ شیر دل فرید کی بہادری سے خوش ہوکر لوہانی نے اُسے شیر خاں کا خطاب دیا۔ اپنی گوناں گوں صفات کے باعث شیر خاں نے کافی رسُوخ حاصل کرلیا۔

بہار پر تسلّط محمود خاں لوہانی کی وفات کے بعد اس کا نابالغ بیٹا جلال الدین بہار کا والی بنا، مگر وہ ابھی نابالغ تھا اِس لیے اُس کی ماں نے شیر خاں کو اس کا اتالیق مقرر کرکے مملکت کا نظم ونسق اس کے حوالے کر دیا۔ اب عملاً شیر خاں وہاں کے سفید وسیاہ کا مالک تھا۔ اُس نے اپنے حُسنِ انتظام سے رفتہ رفتہ اپنی قوت بہت بڑھالی۔ افغان سردار تو اس کی مُٹھی میں آگئے اور اس کی قیادت میں اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لانے کی فکر کرنے لگے۔

اِدھر ہمایوں کی غفلت سے بھی شیر خاں نے پُورا فائدہ اُٹھایا۔ افغانوں کا زور ابھی ٹوٹا نہیں تھا کہ بابر چل بسا۔ چونکہ افغان بظاہر میدان سے ہٹ گئے تھے اس لیے ہمایوں ان کی طرف سے غافل ہوکر پہلے گجرات اور مالوہ کے حکمرانوں سے اُلجھ پڑا۔ اِس مہم میں کم وبیش اسے پانچ سال (۳۷ - ۱۵۳۲ء) لگ گئے۔ شیر خاں نے موقعہ غنیمت جانا، افغانوں میں نئی روح پھونک کر اپنی طاقت بڑھانے اور مملکت کو وسیع کرنے لگا۔ اتفاق سے ان ہی دنوں نصرت شاہ والئ بنگال کا انتقال ہوگیا اور جانشینی کے لیے ورثا میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ شیر خاں نے اس موقعہ سے بھی فائدہ اُٹھایا اور مشرق میں دُور تک قبضہ کرلیا۔

بنگال پر قبضہ جلال خاں اب بالغ ہوچکا تھا، انتظامِ مملکت میں شیر خاں

کی غیر معمولی مداخلت اسے کھلنے لگی تھی ۔ وہ بھاگ کر بنگال پہنچا اور نصرت شاہ کے جانشین محمود شاہ سے مدد چاہی ۔ شیر خاں کے لیے میدان صاف ہوگیا ۔ وہ اب پورے بہار کا مالک و مختار تھا ۔ محمود شاہ نے اس پر چڑھائی کی ۔ شیر خاں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ محمود شاہ پسپا ہوکر بنگال لوٹ گیا ۔ اس فتح سے شیر خاں کی ہمّت بڑھ گئی ، اُس نے محمود شاہ سے بدلہ لینا شروع کیا اور ۱۵۳۸ء میں فوج کشی کرکے بنگال کے دارالحکومت گوڑ پر قابض ہوگیا ۔ اس طرح شیر خاں اب شیر بنگال بن کر دہاڑنے لگا ۔

ہمایوں سے مقابلہ

شیر خاں کی گرج نے اب ہمایوں کو بھی چونکا دیا ۔ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہُوا ، مگر اب شیر پنجرے سے باہر ہوچکا تھا ۔ محمود شاہ نے عاجز آکر ہمایوں کی پناہ لی اور اسے بنگال پر چڑھا لایا ۔ ہمایوں ایک زبردست فوج لے کر حملہ آور ہوا ۔ شیر خاں افغان سرداروں کی کمزوری سے واقف تھا ، اُس کے پاس سازوسامان اور فوج کی بھی قلت تھی ۔ چنانچہ کھُل کر مقابلہ کرنے کے بجائے اس نے ایک جنگی چال چلی ۔ اُس نے کوئی مزاحمت نہ کی بلکہ راستہ چھوڑ کر کنارے ہٹ گیا ۔ مغل فوج بے روک ٹوک گوڑ تک پہنچ گئی ۔ بنگال اور بہار کی دو وسیع مملکتوں کا اتنی آسانی سے ہاتھ آجانا کتنی خوشی کی بات تھی ۔ چنانچہ مغل اپنی اس عظیم الشان کامیابی پر پھُولے نہ سمائے ، گوڑ پہنچ کر رنگ رلیوں میں مصروف ہوگئے ۔ عیش و عشرت کے جام اور افیون کی چُسکیاں شروع ہوئیں ۔ شیر خاں نے پلٹ کر رہتاس گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کرلیا اور راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گیا ۔ کئی ماہ کی عیّاشی اور بنگال کی مرطوب آب و ہوا نے اپنا اثر دکھایا ۔ مغل فوج میں ملیریا پھیلا متعدد
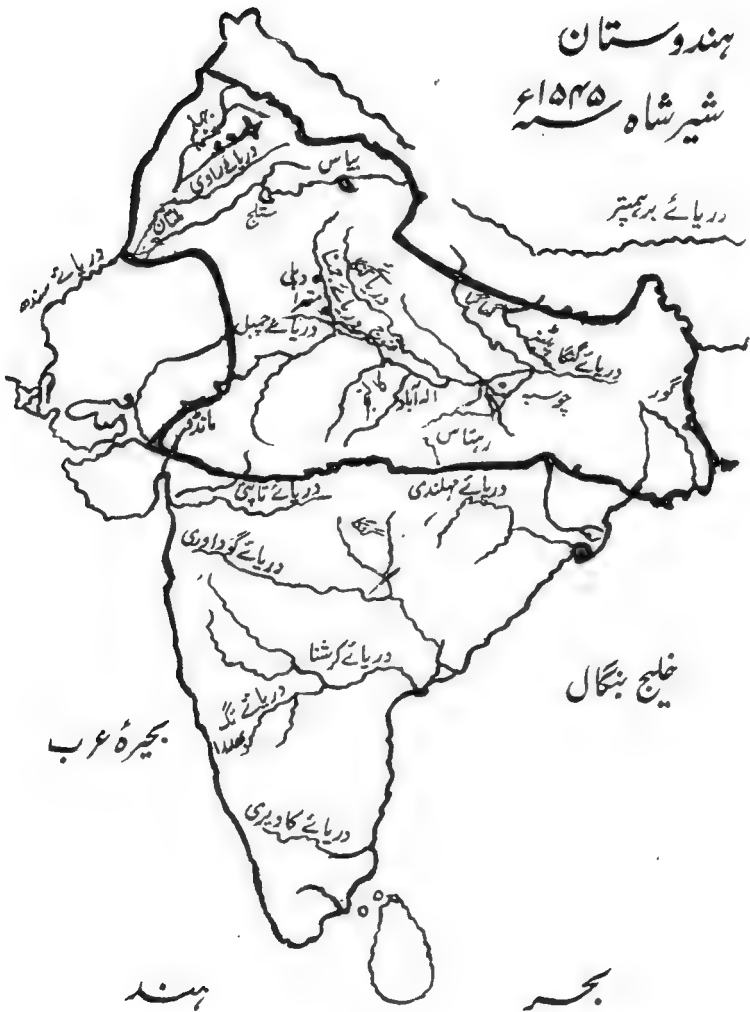
لوگ موت کا شکار اور ہزاروں سُورما لاغر اور نڈھال ہوگئے۔ اِدھر دارالسلطنت سے
عدم موجودگی نے بھائیوں کی نیت خراب کردی ۔ انہوں نے عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ آگرہ
دوآبہ میں دو بھائیوں نے اپنی اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ ان کی بغاوت سے
امراء و اعیانِ حکومت میں انتشار پیدا ہوگیا۔ ان خبروں سے دل برداشتہ ہوکر ہمایوں
نے جلد ہی واپسی کا قصد کیا۔ اِدھر شیرخاں نے رہتاس گڑھ سے قنوج تک راستے
کے متعدد قلعوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ ایک رات جبکہ ہمایوں کی فوج گنگا کے کنارے
چونسہ کے قریب مقیم تھی شیرخاں نے حملہ کردیا۔ مغل چاروں طرف سے گھِر گئے۔ فوجی
پہلے ہی سے لاغر اور خستہ ہوچکے تھے۔ مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور بھاگ کھڑے ہوئے
مگر وہاں تو بھاگنے کا بھی راستہ نہ تھا۔ آگے دریائے گنگا، پیچھے افغان سُورما۔ آخر
گنگا میں کود کر کئی ہزار مغل ڈوب گئے۔ خود ہمایوں بھی ڈوب رہا تھا کہ ایک بہشتی
نے اپنی مشک کے سہارے اُسے باہر نکال لیا۔ کہتے ہیں اس احسان کے بدلے اسے
تین گھڑی کی بادشاہی ملی تھی ۔ یہاں سے بھاگ کر ہمایوں آگرہ پہنچا اور دوبارہ
مقابلے کی تیاری کرنے لگا مگر شیرخاں نے موقع ہی نہ دیا وہ پیچھا کرتا ہوا
آگے بڑھتا۔ ۱۵۴۰ء میں قنوج کے قریب پھر جنگ ہوئی۔ شیرخاں نے یہاں
بھی بُری طرح شکست دی۔ اس بار ہمایوں کے پاؤں ایسے اُکھڑے کہ پھر
ہندوستان میں کہیں نہیں جم سکے۔ وہ دہلی ہوکر لاہور پہنچا مگر شیرخاں کا
خوف اتنا غالب تھا کہ اس کے بھائی کامران نے کوئی مدد نہ کی اور شیرخاں
کے حق میں پنجاب سے دست بردار ہوکر کابل چلا گیا۔ شیرخاں نے بڑھ کر پنجاب
پر قبضہ کرلیا۔ پنجاب کے گکھڑوں نے بہت اُودھم مچا رکھا تھا۔ اُن کی سرکوبی کی

اور وہاں اپنا ایک نائب مقرر کردیا۔

بھائیوں کی طوطا چشمی سے مایوس ہوکر ہمایوں پہلے راجپوتانہ پھر سندھ گیا مگر ہر ایک نے آنکھیں پھیرلیں۔ آخر بے یار و مددگار پھرتا پھراتا ایران پہنچا اور وہاں کے شیعہ حکمران کی پناہ لی۔

فرید خاں کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی، مغلوں کا لاؤ لشکر کچھ نہ بگاڑ سکا۔ وہ اپنی عیّاشی، نفس پرستی اور باہمی نفاق کے باعث میدان سے ہٹا دیے گئے اور باگ ڈور ایک سپاہی زادے کے ہاتھ آگئی۔ فرید خاں اب شیر شاہ کے لقب سے دہلی کے تخت و تاج کا مالک بنا۔

اِقتدار کا نشہ عموماً بدمست بنادیتا ہے مگر شیر شاہ ان کم ظرفوں میں نہ تھا۔ اس نے قوت و اقتدار کی خواہش عیش کے لیے نہیں بلکہ ملک کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے اور ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لینے کے لیے کی تھی اور تاریخ گواہ ہے کہ اُس نے اپنے اس فرض کو بہت اچھی طرح نبھایا۔

مُفسدوں کی سرکوبی

عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے اُس نے مفسدوں کا سر کچلنے اور ملک میں امن و امان بحال کرنے کی طرف توجّہ دی اور چند ہی دن کی جِدّ و جہد میں مُدّتوں کا انتشار اور بدنظمی دُور کرنے میں وہ کامیاب ہوگیا۔ سب سے پہلے اُس نے ان مُغل سرداروں کو بے بس کیا جو ہمایوں کو واپس لانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ گوالیار میں قلعہ بند ہوکر بعض مغل سردار لڑنے پر آمادہ تھے۔ شیر شاہ نے اُن کی کوششیں ناکام کردیں اور قلعہ پر قبضہ کرلیا، پھر مالوہ اور اس کے اطراف

کے مُفسدوں کی سرکوبی کے لیے آگے بڑھا اور انہیں مطیع کر کے رائے سین پہنچا اور کوشش کر کے پُورَن مل اور اُس کے ساتھیوں کا نام و نشان مٹا دیا۔ ان مُفسدوں نے رائے سین کے قلعہ کو اڈا بنا کر مالوَہ اور اُس کے اطراف میں رعایا کی عافیت تنگ کر رکھی تھی۔ اِس طرح اقتدار حاصل ہوتے ہی شیر شاہ نے ان مُفسدوں کا قلع قمع کر دیا جنہوں نے مُدتوں سے رعایا کو پریشان کر رکھا تھا۔ اِن ظالموں سے مظلوموں کا پُورا پُورا بدلہ لے لیا۔

مملکت کی توسیع

اِس کے بعد شیر شاہ نے راجپوتانہ کے ان راجاؤں کی سرکوبی کا ارادہ کیا جنہوں نے اس کے خلاف مغلوں کو مدد دی تھی یا جن کا وجود خوُد اس کی مملکت کے لیے خطرہ تھا۔ اُس نے جودھپُور کے راجہ مالدیو پر حملہ کیا، اس راجہ نے شیر شاہ کے خلاف ہمایوں کو مدد دینے کا وعدہ کیا تھا مگر جب ہمایوں بے یار و مددگار وہاں پہنچا تو اُس نے آنکھیں پھیر لی تھیں اور مغلوں اور افغانوں کی چپقلش سے فائدہ اُٹھا کر اپنی مملکت کی توسیع کا منصُوبہ بنا رہا تھا۔ مالدیو کا زور توڑنے کے بعد شیر شاہ نے چتوڑ کا رُخ کیا اور اُسے بھی بآسانی جیت لیا۔ پھر ۱۵۴۵ء میں کالنجر پر فوج کشی کی قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ آتش بازی کا ایک لٹّو فصیل سے ٹکرا کر پلٹا اور شیر شاہ کے قریب آتش بازی کے ٹوکروں پر آگرا۔ لٹّو گرتے ہی بارود بھڑک اُٹھا اور شیر شاہ سر سے پیر تک جل گیا۔ بیچارہ درد و کرب سے بے چین اپنے خیمہ کی طرف دوڑا اور بیہوش ہو گیا لیکن اس حال میں بھی قلعہ فتح کرنے کا خیال ہی مسلّط رہا۔ جب کبھی اُسے ہوش آتا تو وہ سپاہیوں کو للکارتا۔ شام ہوتے قلعہ فتح ہونے کی اطلاع ملی۔

شیر شاہ نے اس خوشخبری کو سُن کر الحمدللہ کہا اور اس کے بعد تین مرتبہ کلمۂ شہادت کو دُہراتے ہوئے جان جان آفریں کے سپُرد کر دی۔ اِنّا للہِ وَ اِنّا الیہ راجعون۔

استحکام اور نظم و نسق

مملکت کی توسیع کے ساتھ شیر شاہ نے اس کے استحکام اور نظم و نسق کی طرف بھی غیر معمولی توجہ دی۔ اُس نے تمام زمین کی پیمائش کرائی اور پیداوار کا تخمینہ کر کے ایک چوتھائی لگان مقرر کیا۔ انتظامی امور کے لیے اس نے پُوری مملکت کو بہت سے پرگنوں میں تقسیم کر کے ہر پرگنے میں ایک شق دار، ایک امین، ایک خزانچی، ایک منصف اور حساب لکھنے کے لیے دو کارکن مقرر کیے ایک فارسی میں حساب رکھنے کے لیے دُوسرا ہندی میں۔ پرگنے میں امن و امان قائم رکھنے اور شاہی فرمانوں کی تعمیل کا کام شق دار کے ذمہ تھا چنانچہ اس کے ساتھ سپاہیوں کا ایک دستہ رہتا تھا۔ امیر پرگنے کا لگان وصول کرتا تھا اور خزانچی پُورے پرگنے کے خزانے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ منصف کرتے تھے۔ ان سرکاری عہدہ داروں کے علاوہ پٹواری، چودھری اور مُکھیا ہوتے تھے جو گاؤں والوں کے مشورہ سے نامزد کیے جاتے تھے۔ حلقوں کے انتظام میں ان لوگوں سے کافی مدد ملتی تھی۔ کئی پرگنوں کی ایک سرکار ہوتی تھی۔ شیر شاہ کے دَور کی سرکار آج کل کے ضلعوں سے بڑی مگر کمشنریوں سے کچھ چھوٹی تھیں۔ ہر سرکار میں حکومت کی طرف سے دو اعلیٰ عہدہ دار ہوتے تھے۔ ایک کے ذمہ امن و امان برقرار رکھنا اور دُوسرے کے ذمہ مقدمات فیصل کرنا تھا۔ یہی عہدہ دار اپنے حلقے کے تمام پرگنوں میں کام کرنے والے سرکاری حکام اور رعایا کی نگرانی بھی کرتے تھے۔ ان سب کے اُوپر خود شیر شاہ اور اس کے معتمد سرداروں کی کڑی نگاہ رہتی تھی چنانچہ

نہ تو مُفسدوں کو سر اُٹھانے کا موقعہ مِلتا تھا اور نہ سرکاری عمال اپنے فرائض سے غافل ہو سکتے یا رعایا پر ظلم وستم کر سکتے تھے۔ شیر شاہ کے اس حُسنِ انتظام نے بہت ہی قلیل مُدت میں امن و امان بحال کرنے کے ساتھ ہی ساتھ مُلک کی خوشحالی و فارغ البالی میں بُہت اضافہ کر دیا۔ رعایا کو امن وسکون نصیب ہُوا اور حکومت کی آمدنی بہت بڑھ گئی۔

جرائم کی روک تھام

حکمرانوں کا اولین فرض معروفات یعنی بھلائیوں کو فروغ دینا اور منکرات یعنی بُرائیوں کو مٹانا ہے۔ اس پہلو سے بھی شیر شاہ کا پنج سالہ دَور نہایت کامیاب رہا۔ وہ خود نہایت سادہ اور پاکیزہ زندگی گزارتا تھا اور اپنے عمّال کو بھی اس کی تلقین کرتا تھا۔ لوگوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اُس نے جگہ جگہ مدارس قائم کرائے، پرائیویٹ اداروں کی مالی اعانت کی، غریب طلباء کو وظائف دیے۔ بُھوکوں کو پیٹ بھرنے اور ننگوں کا تن ڈھانکنے کا بہت وسیع پیمانے پر بندوبست کیا۔ محکمۂ احتساب قائم کرکے لوگوں کے خیالات واعمال کی اصلاح کی۔ مزید برآں جرائم کی روک تھام کے لیے بہت ہی ٹھوس اور ہمہ گیر انتظام کیا۔ جرائم عموماً حلقہ کے ذمّہ داروں اور عمّال کی غفلت یا ان کی شہ سے ہوتے ہیں۔ اُس نے شہروں کے کوتوال اور گاؤں کے مُکھیا یا پرگنوں کے عمّال کی ذمہ داری ٹھہرائی کہ وہ اپنے حلقوں میں ہونے والی وارداتوں کا پتہ لگائیں اور مجرموں کو عدالت میں حاضر کریں ورنہ خود ان ہی کو سزا دی جائیگی۔ چنانچہ اس کے دَور میں کوئی مُجرم بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔ جُرم ثابت ہونے پر مُجرموں کو عبرتناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ ان تدبیروں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ جرائم بہت گھٹ گئے۔

عدل وانصاف

شیر شاہ بہت ہی انصاف پسند حکمران تھا۔ اُس کی نگاہ میں اپنے پرائے، چھوٹے بڑے، امیر غریب، سب برابر تھے۔ اُس نے اپنی مملکت میں عدالتوں کا ایک جال بچھا دیا تھا جن میں قاضی اور میرِ عدل مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ انصاف جلد اور مفت ملا کرتا تھا۔ حکام اور شاہی خاندان کے لوگوں کے خلاف بھی مقدمہ دائر کرنے کی عام اجازت تھی۔

ایک دفعہ شیر شاہ کا بیٹا عادل خاں ہاتھی پر سوار ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ گلی میں ایک بنیے کا مکان تھا، بنیے کی بیوی غسل کر رہی تھی۔ مکان کی چار دیواری نیچی تھی چنانچہ شہزادے کی نگاہ اس پر پڑ گئی۔ شہزادے نے اُس کی طرف پان کا بیڑہ پھینکا۔ عورت کو شہزادے کی اس نازیبا حرکت کا بڑا ملال ہوا۔ اُس نے اپنے شوہر کی معرفت شیر شاہ سے انصاف طلب کیا۔ شیر شاہ کی نگاہ میں شہزادے اور بنیے کی ناموس میں کوئی فرق نہ تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ بنیا بھی شہزادے کی اہلیہ کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کر کے اپنا بدلہ چکا لے۔ لوگوں نے بہت منت سماجت کی مگر سلطان اپنے فیصلہ پر اڑا رہا۔ آخر شہزادے نے معافی مانگ کر بنیے کو راضی کر لیا۔ شیر شاہ کے اسی عدل کا نتیجہ تھا کہ اس کے دور میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔

تعمیری کام

مفسدوں کی سرکوبی اور جرائم کی روک تھام کے ساتھ ہی ساتھ شیر شاہ نے تعمیری اور رفاہی کاموں کی طرف بھی غیر معمولی توجہ دی۔ حمل و نقل کی سہولت کے لیے اُس نے پرانے راستوں کی مرمت کرائی، نئی نئی سڑکیں بنوائیں، جن میں ایک سڑک تو پنجاب سے بنگال تک کوئی پندرہ سو

میل لمبی تھی ۔ ان سڑکوں پر اُس نے دو رویہ درخت لگوائے ۔ ہر دو میل پر پختہ سرائیں بنوائیں ، جن میں کھانے پینے اور مسافروں کے آرام و حفاظت کا پُورا سامان ہوتا تھا۔ سفر کی ان سہولتوں کے باعث تجارت کو بہت فروغ ہوا اور رعایا خوشحال ہوگئی ۔

اُس نے مملکت کے مختلف حصّوں میں لنگر خانے قائم کرائے جہاں غریبوں کو مُفت کھانا تقسیم ہوتا تھا ۔ یتیموں اور بیواؤں کو مستقل وظیفے ملتے تھے ۔ مدارس ، مساجد اور دینی کاموں کے لیے جاگیریں وقف تھیں ۔ غریب طلبہ اور مُعلّمین کی مالی امداد کی جاتی تھی ۔ اسے غریبوں ، معذوروں اور اہلِ علم کا بڑا خیال رہتا تھا ۔ سینچائی کے لیے بڑے بڑے تالاب کھُدوائے اور نہریں نکلوائیں ۔

بیرونی حملوں سے حفاظت

شیر شاہ نے بیرونی حملہ آوروں سے ملک کو محفوظ رکھنے کا بھی بہت معقول انتظام کیا ۔ شمالی مغربی سرحد ہمیشہ خطرات کی زد میں رہی ہے ۔ شیر شاہ کے دور میں تو یہ خطرہ اور بھی بڑھ گیا تھا کیونکہ ہمایوں اور اس کے بھائی سرحد پار ہی مقیم تھے اور ان کی طرف سے ہر آن حملہ کا اندیشہ تھا ۔ اُس نے ان حملوں کی روک تھام کے لیے رہتک کے قریب ایک بہت مستحکم قلعہ بنوایا اور بہار کے مشہور قلعہ رہتاس گڑھ کے نام پر رہتاس نو اس کا نام رکھا ۔ اس کی حفاظت کے لیے اپنے معتمد سپہ سالار ہمایوں اعظم کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج متعیّن کی ۔ علاوہ ازیں سیالکوٹ سے نگر کوٹ تک چھوٹے چھوٹے قلعوں کا ایک جال بچھا دیا اور سرحد کے روہیلہ پٹھانوں کو فوج میں بھرتی کر کے اپنی فوجی قوت بہت بڑھالی ۔

ایران کے صفوی حکمران شیعہ تھے ۔ ہمایوں نے وہیں جاکر پناہ لی تھی اور اُن

سے اِمداد لے کر ہند پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ ایران کے ان شیعہ حکمرانوں نے اپنی مملکت کی سُنی رعایا کو تنگ کر رکھا تھا۔ راستے میں حج کو جانے والوں کو بھی یہ لوگ ستاتے تھے۔ ایرانیوں کی ان حرکات سے شیر شاہ بھی نالاں تھا اور تُرکی کے سُلطان بھی۔ کیونکہ حرمین شریفین کی پاسبانی اس وقت ترکوں ہی کے سپُرد تھی اور ان ہی کی امارت میں حج کا فریضہ انجام پاتا تھا۔ شیر شاہ نے آگرہ کے مشہور محدث مولانا رفیع الدین شیرازی کو سفیر بنا کر سُلطان ترکی کے پاس اس غرض سے بھیجنا چاہا کہ حرمین شریفین میں سے کسی ایک حرم کی خدمت ہمارے سپُرد کی جائے اور ایرانیوں کو دونوں طرف سے گھیر کر ان کا زور توڑ دیا جائے۔ مگر موت نے مہلت نہ دی اور اس کا یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ایک بحری بیڑہ بنانے کا بھی منصوبہ تھا۔

شیر شاہ کی سیرت

شیر شاہ کی سیرت اور کارناموں سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی سُوجھ بُوجھ، شجاعت، دلیری انتظامی صلاحیت اور قوتِ عمل دی تھی۔ اُس نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے پُورا فائدہ اُٹھایا اور حتی الامکان انہیں اللہ کی مرضی کے مُطابق استعمال کیا۔ جبھی تو گھر سے نکالا ہوا ایک نوجوان جس نے غریب طلباء کے ساتھ انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں تعلیم حاصل کی تھی، مغلوں کو نکال کر ملک میں ایک بہتر نظام برپا کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

بہترین حکمران اور مُدبّر سپہ سالار ہونے کے ساتھ وہ بہت بڑا عالم اور نہایت بااُصول انسان تھا۔ اس کی زندگی بہت ہی سادہ اور پاکیزہ تھی۔ اپنے حُسنِ اخلاق اور اوصافِ حمیدہ کے باعث رعایا اور حکام سب کی نگاہوں میں وہ بے حد محبُوب تھا۔

ایک بار اُس نے حضورؐ کو خواب میں دیکھا تھا۔ حضورؐ اس سے ارشاد فرما رہے تھے کہ "کچھ مدّت کے لیے حق تعالیٰ مُلکِ ہند تمہارے حوالہ کریں گے۔ دیکھو حکومت مِلنے پر اللہ کی اِس سرزمین کو عدل و انصاف سے معمور کرنا اور اُسے آباد کرنے کی کوشش کرنا۔"

حضورؐ کے اِن ارشادات کو اُس نے ہمیشہ نگاہ میں رکھا۔ مُلک کو عدل و انصاف سے بھر دیا، فتنہ و فساد، ظلم وستم اور فواحش و منکرات کا قلع قمع کیا، مُلک سے جہالت اور بے علمی دُور کی۔ حکام اور فوجیوں پر سخت نگرانی کرکے ان کی چیرہ دستیوں سے رعایا کو محفوظ رکھا۔ خزانہ کا بہت بڑا حِصّہ رعایا کی فلاح، علوم وفنون کی ترقی، غربا و مساکین کی امداد اور رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کیا۔ اُس کے حُسنِ انتظام سے بیرونی حملوں کا خوف بھی جاتا رہا۔ اِس کُل کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ بندگانِ خدا کو امن وسکون اور خوش حالی نصیب ہوئی۔ بلا شُبہ شیر شاہ ہندوستان کے اُن گِنے چُنے فرمانرواؤں میں سے ایک ہے جنہوں نے اپنے فرائض کو بخوبی پہچانا اور اُن سے عہدہ برا ہونے کی سعی کی۔ سابقہ فرمانرواؤں کے تجربات سے فائدہ اُٹھایا، اپنے کارناموں سے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ اللہ نے چند ہی دِن کے لیے اُسے اس مُلک کا انتظام سُپرد کیا تھا مگر اس قلیل مُدت میں بھی اپنی مُستعدی اور جانفشانی سے مُلک کے انتظام کو وہ جس ڈھرّے پر لگا گیا بعد کے حکمرانوں نے مُدتوں اس سے فائدہ اُٹھایا اور آج تک اس کے نقوش محو نہیں ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُسے جزائے خیر دے۔

شیر شاہ کے جانشین

شیر شاہ کی مرگِ ناگہانی پر اُمراء نے اُس کے چھوٹے بیٹے جلال خاں کو تخت پر بٹھایا۔ اِس

نے اسلام شاہ کا لقب اختیار کیا، مگر عوام میں سلیم شاہ کے نام سے معروف ہوا۔ سلیم شاہ اپنے بڑے بھائی سے اہل تر اور مستعدی، رعب داب اور انتظامی صلاحیت میں اپنے باپ کا سچا جانشین تھا۔ اُس نے شیر شاہ کے انتظامات بحال رکھے۔ رفاہی اور تعمیری کاموں کو آگے بڑھایا، سرایوں اور محتاج خانوں کی تعداد دگنی کر دی، پُرانے قلعوں کی مرمت کرائی، نئے نئے قلعے بنوائے۔ سرکاری آئین وضوابط کو کتابی شکل میں مُرتب کرایا اور اس کی نقلیں ہر ضلع میں بھجوائیں جہاں جمعہ کے دِن ایک جلسہ کر کے تمام حُکام کو یہ کتاب پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اقتدار کے نشے نے اُسے بدمست کر دیا۔ اُس نے اُمراء اور حکام پر بے جا سختیاں شروع کیں، اُنہیں نہایت ذِلت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ آخر میں تو اُس نے یہ حکم دے دیا کہ جمعہ کے ان جلسوں میں سلیم شاہی جُوتیاں اُونچے چبوترے پر کُرسی ڈال کر رکھی جایا کریں اور حاضرین ان جوتیوں کو سلامی دیا کریں۔ فوج کے ساتھ بھی اس کا رویہ بہت ہی نامعقول ہو گیا۔ ایک بار تو اس نے پیدل فوج کو بیلوں اور بھینسوں کی جگہ چھکڑوں میں جُتوا کر اُن سے لاہور تک توپیں کھنچوائیں۔ غرض اس کی سختی اور رعونت دن بدن بڑھتی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام لوگ اس کے ناروا سلوک سے بددل ہو گئے خصوصاً وہ افغان سردار جن کے تعاون ہی سے شیر شاہ نے اتنا زبردست انتظام قائم کیا تھا، اب سلیم شاہ کی جان کے درپے ہو گئے۔ اس کے خلاف سازشیں اور بغاوتیں شروع کیں، بادشاہ پر قاتلانہ حملے کرائے۔ اب سلیم شاہ کی سختیاں اور بڑھیں۔ بڑے بڑے تجربے کار اُمراء قتل کر دیئے گئے اور اُن کی جگہ ناتجربہ کار اور خوشامدی لوگ مقرر ہوئے

اور اگرچہ سلیم شاہ کی زندگی میں باغیوں کو کوئی کامیابی نہ ہو سکی لیکن اندر ہی اندر لاوا پکتا رہا اور ۱۵۵۴ء میں سلیم شاہ کے مرتے ہی پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

سلیم شاہ کی وفات پر اس کا کمسن بیٹا فیروز شاہ تخت نشین ہوا مگر تین دن بھی نہ گزرے تھے کہ اُس کے ماموں کی نیت خراب ہوئی۔ وہ بھانجے کو قتل کرنے کے ارادے سے ننگی تلوار لیے محل میں گھسا۔ یہ وہی نمک حرام اور بے وفا بھائی ہے جسے اُس کی بہن نے اپنے شوہر سلیم شاہ سے ضد کر کے وزیر مقرر کرایا تھا، حالانکہ سلیم شاہ اس سے بدظن تھا اور اس کی نااہلی اور بے وفائی کے باعث کوئی اُونچا عہدہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ بہن نے بھائی سے بہت منت سماجت کی، اپنے احسانات یاد دلائے، مگر اس ظالم نے ایک نہ سُنی اور معصوم بھانجے کو بہن کے سامنے انتہائی بے دردی سے قتل کر کے تخت پر خود قبضہ کر لیا۔ اس نے عادل شاہ کا لقب اختیار کیا۔ عادل شاہ نہایت ظالم، بداخلاق اور بے وقوف تھا۔ چنانچہ لوگوں نے اُسے عدلی اور بعد میں "اندھلی" کہنا شروع کیا۔ اس کے دور میں ایک ہندو وزیر ہیمو بقال نے بہت اثر و رسوخ حاصل کر لیا۔ وہ افغان امراء کو ذلیل نظروں سے دیکھتا اور بہت ہی بُرا سلوک کرتا تھا۔ اندھلی کی نااہلی اور ہیمو کے ناروا سلوک سے امراء نہایت بددل ہوئے، جگہ جگہ بغاوتیں ہونے لگیں۔ سلطنت کے دو اور دعوے دار اُٹھ کھڑے ہوئے، ایک اس کا بہنوئی ابراہیم سوری، دوسرا پنجاب کا صوبہ دار احمد خاں جس نے سکندر شاہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ اب تینوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ سرحد کی حفاظت پر متعین فوجیں وہاں سے ہٹ کر خانہ جنگی میں مصروف ہو گئیں۔

ہمایوں کی واپسی ۱۵۵۵ء

ہمایوں تو شروع ہی سے تاک میں تھا مگر شیرشاہ اور اس کے بیٹے سلیم شاہ کی فوجی طاقت اور مستعدی کے باعث ہمت نہ ہوتی تھی۔ اِس مُدت میں وہ شاہِ ایران کی مدد سے قندھار اور کابل اپنے بھائیوں سے چھین چکا تھا۔ اب جو ہندوستان کی خانہ جنگی اور سرحدی فوجوں کے ہٹ جانے کی اطلاع ملی تو اُس نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور ایرانی فوجوں کی مدد سے چٹکی بجاتے "رہتاس نو" کے مشہور قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اِدھر پورا پنجاب خالی ملا۔ مغلوں نے لاہور پر بھی بآسانی جھنڈا گاڑ دیا اور دہلی پر قبضہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ سکندر سوری نے سرہند میں مُغلوں کا مقابلہ کیا مگر شکست کھائی اور بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی۔ اب پندرہ سال مسلسل مارے مارے پھرنے کے بعد ہمایوں دہلی اور آگرہ میں فاتحانہ داخل ہوا۔ مگر ابھی چھ ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ ایک شام وہ اپنے دارُالمطالعہ میں تھا۔ مغرب کا وقت ہو گیا اذان کی آواز آئی، وہ تیزی سے اُترنے لگا، اچانک پیر پھسلا، وہ زینے سے نیچے گرا اور مر گیا۔

ہمایوں کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اکبر تخت نشین ہوا لیکن وہ ابھی کم سن تھا، صرف تیرہ سال کا نوعمر لڑکا۔ اِس لیے ہمایوں کے معتمد سپہ سالار بیرم خاں کو اس کا اتالیق مُقرّر کیا گیا۔

اِس طرح سوری خاندان کے خاتمہ کے بعد اب مغل خاندان دوبارہ ہندوستان پر قابض ہو گیا۔

۱۔ شیر شاہ کون تھا؟ اس کی ابتدائی زندگی کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ اس کا یہ نام کیوں پڑا؟

۲۔ اس نے تعلیم کس طرح حاصل کی؟ کن مضامین کا اُسے زیادہ شوق تھا؟

۳۔ بابر نے اس کے متعلق کیا رائے قائم کی تھی؟ کیوں؟

۴۔ جنگ کنواہہ میں شرکت کے بعد شیر شاہ نے کیا فیصلہ کیا؟ کیوں؟

۵۔ ابراہیم لودی کے آخری دور میں کن حالات نے شیر شاہ کو متاثر کیا؟ اس کے تدارک کے لیے اُس نے کیا سوچا؟

۶۔ "نوجوانوں کے عزائم واقعات و حالات کا رُخ موڑ دیتے ہیں"۔ ثبوت میں شیر شاہ کی زندگی سے دلائل فراہم کرو۔

۷۔ بہار اور بنگال پر شیر شاہ کس طرح قابض ہوا؟

۸۔ جنگِ چوسہ پر ایک مضمون لکھو۔ سابقہ عنوانات پیش نظر رہیں۔؟

۹۔ شیر شاہ نے مفسدوں کی کس طرح سرکوبی کی؟

۱۰۔ "فرماں روا اگر چاہیں تو جرائم کی روک تھام بآسانی کر سکتے ہیں"۔ شیر شاہ نے اس سلسلے میں کیا نمونہ پیش کیا ہے؟

۱۱۔ مملکت کے نظم و نسق کے لیے شیر شاہ نے کیا کیا؟

۱۲۔ "شیر شاہ نے عدل و انصاف کا بہت اعلیٰ نمونہ پیش کیا"۔ واقعات سے ثابت کرو۔

۱۳۔ بیرونی حملوں سے حفاظت کے لیے شیر شاہ نے کیا انتظامات کیے۔؟

۱۴۔ "شیر شاہ کے سامنے بڑے اہم منصوبے تھے مگر عمر نے وفا نہ کی"۔ اِس پر تبصرہ کرو اور بتاؤ کیا کیا منصوبے تھے۔؟

۱۵۔ شیر شاہ کے جانشینوں کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ سلیم شاہ سے لوگ کیوں خفا ہوئے؟

۱۶۔ ہمایوں کس طرح دوبارہ ہند پر قابض ہوا؟

۱۷۔ ہندوستان کا خاکہ بنا کر شیر شاہ کی سلطنت کی وسعت دِکھاؤ۔

باب (۱۰)

اکبر ۱۶۰۵ — ۱۵۵۶ء

اکبر کا پُورا نام جلال الدین محمد اکبر تھا۔ ۱۵۴۲ء میں پیدا ہوا، اُس کا بچپن انتہائی بے سروسامانی اور پریشانی میں گزُرا۔ امرکوٹ میں وہ اُس وقت پیدا ہوا جبکہ اُس کے باپ ہُمایوں کو شیر شاہ نے شکست دے کر مُلک بدر کر دیا تھا اور وہ بے یار و مددگار راجپُوتانہ کے صحرا میں مارا مارا پھر رہا تھا اور بعد میں بھی اُسے مُدتوں ایک جگہ جم کر رہنا نصیب نہ ہُوا جس کی وجہ سے اکبر کی تعلیم و تربیت نہ ہو سکی اور وہ جاہل رہ گیا۔ البتہ بچپن ہی میں اُسے دُنیا کے متعدد نشیب و فراز دیکھنے پڑے تھے، جن کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ ننھی سی عمر ہی میں اُس کے دِل میں گُداز کی کیفیت پیدا ہو گئی اور اپنی عمر کے عام بچّوں کے مقابلے میں اُس نے کہیں زیادہ تجربات بھی حاصل کر لیے۔

تیرہ سال کی عمر میں اچانک باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور اس

پر ایک ایسی مملکت کے انتظام کا بار آپڑا جس میں ہر طرف انتشار اور بدامنی تھی۔ مُغلوں کے اصل حریف افغان ابھی پُورے طور پر مغلوب نہ ہوئے تھے بلکہ اپنا کھویا ہوا اقتدار واپس لینے کی فکر میں ہر جگہ شورشیں برپا کر رہے تھے۔ شوری خاندان کے آخری دَور میں خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کر راجپوتوں اور دوسرے بعض راجاؤں نے بھی جگہ جگہ اپنی آزاد ریاستیں قائم کر لی تھیں۔ دُشمنوں کا نرغہ تو تھا ہی اب اس کے سردار بھی اُسے بچہ سمجھ کر من مانی کرنا چاہتے تھے۔ اکبر جیسے نوعمر کے لیے اِس صورت حال سے نمٹنا محال تھا مگر حُسنِ اتفاق سے اُسے بیرم خاں جیسا شفیق اتالیق اور مُدبّر وزیر اعظم مِل گیا جس نے بہت جلد حالات پر قابو پالیا۔ بیرم خاں نہایت بیدار مغز، وفادار، منتظم اور تجربہ کار سپہ سالار تھا۔ بحیثیت اتالیق اُس نے اکبر کو آدابِ جہاں داری بھی سکھائے اور اپنے حُسنِ انتظام سے بدامنی اور انتشار بھی دُور کیا۔

پانی پت کی دُوسری جنگ ۱۵۵۶ء

مُغلوں کے سب سے بڑے حریف افغان تھے۔

سُور خاندان کے لوگ بازی ہار کر میدان سے ضرور ہٹ گئے تھے مگر ابھی پورے طور پر قابو میں نہیں آئے تھے۔ پنجاب میں سکندر سوری اپنی قوت مجتمع کر رہا تھا اور بنگال میں عادل شاہ عرف اندھلی۔ اکبر اور بیرم خاں سکندر سوری کے تعاقب میں پنجاب میں ہی مقیم تھے کہ ہُمایوں کا اچانک انتقال ہو گیا۔ اب عادل شاہ کے لیے میدان صاف تھا۔ اُس نے اپنے وزیر اعظم ہیمو کو ایک زبردست فوج دے کر آگرہ بھیجا۔ ہیمو نے پہلے آگرہ اور پھر دہلی پر قبضہ کر لیا اور خود بکر ما جیت

کا لقب اختیار کر کے راجہ بن بیٹھا۔ دہلی کا حاکم تردی بیگ شکست کھا کر بھاگا اور پنجاب پہنچا۔ بیرم خاں کو اس شکست کا بے حد ملال ہوا۔ اُس نے غصہ میں آکر تردی بیگ کو قتل کرا دیا اور سکندر سوری کا پیچھا چھوڑ کر ہیمو سے لڑنے کے لیے آگے بڑھا۔ پانی پت کے لق و دق میدان میں دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔ ہیمو کی فوج مغلوں سے کہیں زیادہ تھی مگر اُس کے افغان سردار اس کے حقارت آمیز اور ناروا سلوک کے باعث بہت نالاں تھے، اُنہوں نے ڈھیل ڈال دی۔ ہیمو کی آنکھ میں تیر لگا وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، فوج تتر بتر ہو گئی۔ سب ہیمو سے ناخوش تو تھے ہی، جس کا جدھر منہ اُٹھا اُدھر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہیمو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ دہلی اور آگرہ میں مغلوں کی نوبت بجنے لگی۔ اس فیصلہ کُن جنگ کے بعد افغانوں کی رہی سہی توقعات ختم ہو گئیں۔ سکندر سوری نے بھی مایوس ہو کر شکست مان لی اور اپنے کو مغلوں کے قدموں پر ڈال دیا۔ بیرم خاں نے اُس کے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک کیا اور مشرق کے بعض اضلاع اس کے حوالے کر دیئے۔

بیرم خاں کا زوال ۱۵۶۰ء بیرم خاں چار سال تک اکبر کا اتالیق اور وزیر اعظم رہا۔ آڑے وقت میں اُس نے جس وفاداری سے مغلوں کی خدمت کی ہے، دوست، دشمن، سب اُس کے معترف ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسی کی بدولت مغلوں کا دوبارہ ہندوستان پر تسلّط ہوا۔ اُس نے حریفوں کا زور توڑا، سرداروں اور عمّال کو قابو میں رکھ کر مملکت کو انتشار اور بد نظمی سے بچایا اور اکبر کو آدابِ جہاں بانی سکھا کر اس لائق بنایا کہ وہ ایک اجنبی مُلک میں اتنی بڑی

مملکت کا انتظام سنبھال سکے۔ لیکن ان احسانات کے باوجود نشۂ اقتدار میں بیرم خاں سے خاصی بے اعتدالیاں بھی ہوئیں جن میں بعض کو اکبر نے بھی ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا مثلاً کئی معتمد سرداروں کو اس نے محض اس لیے سخت سزائیں دیں کہ وہ اُس کی نگاہوں میں مشکوک اور اس کی راہ کا روڑا تھے۔ بیرم خاں کے اس طرزِ عمل سے اکثر اُمرا ناراض ہوگئے اور اس کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ وہ خود شیعہ تھا اور ایک شیعی عالم شیخ گدائی کو اس نے شیخ الاسلام (مذہبی امور کا وزیر) مقرر کر دیا تھا۔ اسے بھی اس کی شیعہ نوازی پر محمول کر کے لوگوں کو اس کے خلاف بدظن کیا گیا۔ ادھر اکبر جوان ہوگیا تھا۔ بیرم خاں کی روز افزوں مداخلت اسے کھلنے لگی تھی اور وہ بلا شرکت غیرے سیاہ و سفید کا مالک ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ ایک ناخلف شاگرد کی طرح اُستاد کے سارے احسانات اور اس کی بے لوث خدمات کو بالائے طاق رکھ کر اکبر نے بھی سازشی گروہ کا ساتھ دیا اور جس سے تیراندازی کا فن سیکھا تھا سب سے پہلا تیر اُس پر چھوڑا۔ بیرم خاں کی شاگردی سے نکل کر وہ اپنی ماں کو دیکھنے کے بہانے دہلی گیا اور وہیں سے کہلا بھیجا کہ "آج سے مملکت کی باگ ڈور میں اپنے ہاتھ میں لیتا ہوں، اب صرف میرا حکم چلے گا۔ بہتر ہے کہ آپ حج کے لیے مکہ چلے جائیں۔"

بادشاہ کے اس فرمان پر بیرم خاں کے ساتھیوں نے مزاحمت کا مشورہ دیا اور سازشیوں کا قلع قمع کر کے اکبر کو حراست میں لینے کی تجویز پیش کی مگر بیرم خاں کے جذبۂ وفاداری کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اُس نے فرمان پر سرِ تسلیم خم کر دیا اور حج کے لیے روانہ ہوگیا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ سازشی گروہ نے اکبر کو

ورغلایا اور بیرم خاں کو جلد ملک بدر کرنے کی غرض سے ایک فوج بھجوادی۔ اس بے عزّتی پر بیرم خاں کو تاؤ آگیا، اس نے مزاحمت کی۔ اس کی سرکشی کا حال سُن کر اکبر خود آگے بڑھا۔ بیرم خاں نے مجبور ہوکر معافی مانگی۔ اکبر نے اُسے معاف کرکے مکّہ جانے کی اجازت دیدی۔ وہ حج کے ارادے سے جارہا تھا کہ گجرات کے قریب کسی دشمن نے اسے ہلاک کردیا۔

ازبک سرداروں کی بغاوت

بیرم خاں کے زوال کے بعد کچھ دنوں سازشی گروہ کا طوطی بولتا رہا، لیکن جس منچلے اور آزاد منش بادشاہ نے بیرم خاں جیسے محسن اور وفادار اتالیق کی غیرمعمولی مداخلت برداشت نہ کی ہو وہ انہیں کب تک گوارا کرتا۔ بالآخر دو سال کے اندر ہی یہ لوگ بھی راستے سے ہٹادیے گئے اور مملکت کا نظم ونسق کُلّی طور پر اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے اہم مسئلہ سرداروں کو قابو میں رکھنا تھا کیونکہ ان کا تعاون حاصل کیے بغیر کام کیسے چلتا۔ امراء اور سرداروں میں سب سے بڑی تعداد ایرانیوں کی تھی، اس کے بعد ازبکوں کی۔ انہی کی مدد اور تعاون سے ہمایوں نے دوبارہ ہند پر قبضہ کیا تھا، اس لیے یہی لوگ بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے لیکن ان دونوں گروہوں کے سرداروں میں باہم چشمک رہتی تھی۔ بیرم خاں کے دور میں ازبکوں کے مقابلے میں ایرانیوں کو اور زیادہ عروج حاصل ہوگیا۔ ایرانی سرداروں کا غلبہ دیکھ کر اکبر نے بھی انہیں کو خوش رکھنے کی فکر کی۔ اِدھر ازبکوں اور مغلوں میں دیرینہ عداوت تھی۔ وسطِ ایشیا کی یہ دونوں جنگجو قومیں

ہمیشہ ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار رہتی تھیں ۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہمایوں کے ساتھ اتنی بڑی تعداد میں ازبک سردار ہندوستان آئے تھے اور اپنی جان توڑ کوششوں سے مغلوں کو دوبارہ ہندوستان پر قبضہ دلایا تھا۔ اکبر کا جو یہ برتاؤ دیکھا تو ان کی بددلی بڑھ گئی ۔ اتفاق سے ۱۵۶۵ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ مشہور ازبک سردار عبداللہ خاں نے ان تھک کوششوں سے مالوہ فتح کیا۔ چنانچہ اپنی اس خدمت کے صلے میں وہ مالوہ کا حاکم مقرر ہوا مگر مالِ غنیمت آگرہ بھیجنے میں اُس نے لیت و لعل کی ۔ اکبر نے اسے اس کی سرکشی پر محمول کیا اور سزا دینے کے لیے شکار کے بہانے یکایک مالوہ پہنچ گیا۔ عبداللہ خاں ایسا مبہوت ہوا کہ شاہی ملازمت کو خیرباد کہہ کر بھاگا اور جاکر گجرات میں پناہ لی ۔ سُوئے ظنی تو پہلے سے تھی ہی ، فوج میں یہ افواہ بھی پھیل گئی کہ مغل دیرینہ عداوت کا بدلہ لینے کے لیے ازبکوں کا قلع قمع کرنے کے درپے ہوگئے ہیں ۔نتیجہ یہ ہوا کہ ازبک بھی مرنے مارنے پر تُل گئے اور کم و بیش تین سال تک بڑا ہنگامہ رہا ، جگہ جگہ شورشیں ہوئیں ۔ ان باغیوں میں سب سے اہم شخصیت جونپور کے صوبیدار خان زماں خاں ازبک کی تھی ۔ اس نے علم بغاوت بلند کرکے اکبر کو بے حد پریشان کیا۔ بہ ہزار دقت اکبر نے اس پر قابو پایا اور اسے اور اس کے ساتھیوں نیز دُوسرے تمام ازبکوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کرکے بغاوت فرو کی ۔

اِسی دَوران ایک اور اہم واقعہ پیش آیا۔ اکبر کا سوتیلا بھائی حکیم مرزا کابل کا حکمران تھا ۔ہمایوں نے چلتے وقت کابل کی ولایت اسی کے سپرد کردی تھی۔

ازبکوں نے اس کا سہارا لیا اور اسے اُبھار کر ۱۵۸۱ء میں پنجاب پر حملہ کرا دیا۔ خان زماں خان نے تو اسے ہندوستان کا حکمران بھی تسلیم کر لیا۔ بھائی کے اس حملے سے اکبر کی دردسری اور بڑھ گئی لیکن وہ ہراساں نہ ہوا، فوراً مقابلے کے لیے آگے بڑھا۔ حکیم مرزا نے اکبر کی جو مستعدی دیکھی تو مقابلے کی تاب نہ لا کر اُلٹے پاؤں لوٹ گیا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ازبکوں کے ساتھ کشمکش اور حکیم مرزا کی چڑھائی دراصل مذہب کے مقابلے میں اکبر کی بے راہ روی کے باعث تھی۔ اسلام پسند عناصر بہرحال اکبر کی روش سے بددل ہو رہے تھے۔

راجپوتوں سے تعلق

عام فرمانرواؤں کی طرح اکبر کے پیش نظر بھی سب سے مقدم اپنے اقتدار کا تحفظ اور اپنی مملکت کی توسیع تھی خواہ اس کے لیے حق ناحق یا جائز و ناجائز جو ذرائع بھی اختیار کرنے پڑیں۔ اُس نے دیکھا کہ جن لوگوں پر اسے حکومت کرنی ہے ان کی بہت بڑی اکثریت ہندوؤں پر مشتمل ہے جن کی سربراہ کاری مدتوں سے راجپوت راجاؤں کے ہاتھ میں رہی ہے۔ اس کے پیش رو مسلم سلاطین اس جنگجو قوم کو بزورِ شمشیر قابو میں لاتے رہے لیکن چونکہ وہ دل سے ان کی سیادت قبول نہیں کرتے تھے اس لیے جب کبھی موقع ملتا خودمختار ہو جاتے یا جگہ جگہ شورشیں برپا کرتے تھے۔ اکبر نے انہیں رام کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔ ان سے معاشرتی روابط قائم کیے، ان کی بیٹیاں بیاہ کر محل میں لایا۔ ان کے سرداروں کو اُونچے اُونچے عہدے دیے اور انہیں خوش کرنے کے لیے اپنے عقائد اور طرز معاشرت میں غیر معمولی لچک پیدا کی۔ سب سے پہلے اُس نے ۱۵۶۲ء میں جے پور کے راجہ بہاری مل

کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لیا اور اس کے بھائی بھگوان داس اور بھتیجے مان سنگھ کو اُمراء میں شامل کیا۔ پھر اُن کی مدد سے رفتہ رفتہ تمام راجپوت راجاؤں کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنا لیا۔ صرف چتوڑ کا رانا اودے سنگھ کسی طرح ہموار نہ ہوا۔ اکبر نے اُس پر حملہ کیا اور کافی کُشت و خون کے بعد ۱۵۶۷ء میں چتوڑ کو فتح کر لیا۔ ریاست پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا مگر اودے سنگھ ہاتھ نہ آیا۔ اُس نے بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ لی اور وقتاً فوقتاً چھاپہ مارتا رہا۔

اکبر کی دُوسری فتوحات

راجپوتوں کا غیر معمولی تعاون حاصل کر کے اکبر نے آزاد مسلم صوبوں کو فتح کرنے اور اپنے حریف افغان اور ازبک قبائل کا زور توڑنے کی طرف توجہ کی۔

۱۔ گجرات

۱۵۷۲ء میں اکبر نے گجرات کا رُخ کیا۔ وہاں کا فرمانروا مظفر شاہ نہایت ناکارہ تھا۔ مملکت کی باگ ڈور دراصل اُس کے نومسلم وزیر کے ہاتھ میں تھی۔ اُمراء کی سرکشی سے عاجز آکر اس وزیر نے خود ہی اکبر کو چڑھائی کی دعوت دی۔ اکبر تو موقع کا منتظر تھا ہی، بڑھ کر قبضہ کر لیا اور وہاں کے نام نہاد سُلطان اور اس کے وزیر کو اپنے دربار میں جگہ دے دی۔ آٹھ نو سال بعد مظفر شاہ نے گجرات پہنچ کر بغاوت کی مگر ناکام رہا اور شکست کھا کر خودکُشی کر لی۔

۲۔ بنگال

اِس صُوبے پر اب تک افغانوں کا قبضہ تھا۔ وہاں کا آخری فرماں روا داؤد خاں نوجوان اور نہایت ناتجربہ کار تھا۔ ۱۵۷۵ء میں اکبر نے اُس پر حملہ کیا، پٹنہ میں جنگ ہوئی داؤد خاں بُری طرح ہار کر بھاگا۔ ایک سال بعد

گرفتار ہو کر مارا گیا اور بنگال مغل سلطنت کا ایک صُوبہ بن گیا۔

۳۔ دکن شمالی ہند کے بیشتر حصّوں پر قابض ہونے کے بعد اکبؔر نے دکن کا رُخ کیا۔ خاندیش کے فاروؔقی بادشاہ نے خود ہی اطاعت قبول کرلی۔ احمد نگر کی ریاست ان دنوں خانہ جنگی کا شکار تھی۔ اکبؔر نے ۱۵۸۶ء میں اس پر حملہ کرایا مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر ۱۵۹۹ء میں حملہ کرکے اکبؔر نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

۴۔ کابل، قندھار ۱۵۸۵ء میں اکبر کے سوتیلے بھائی حکیمؔ مرزا کا انتقال ہوگیا۔ موقعہ غنیمت تھا اکبؔر نے اُسے اپنی مملکت میں شامل کرکے مانؔ سنگھ کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا مگر سرکش افغان قبائل برابر پریشان کرتے رہے اور اس کا تسلّط جمنے نہ دیا۔ ادھر ازبک قبائل بھی دردِ سر بنے رہے۔ کئی سال کی مسلسل کوشش کے بعد ان کا زور ٹوٹا اور ۱۵۹۲ء میں قندھار پر بھی قبضہ ہوگیا۔

۵۔ کشمیر یہ ریاست مُدّتوں سے آزاد چلی آرہی تھی۔ اس کے چاروں طرف پہاڑوں کی مضبُوط فصیل ہونے کے باعث بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ تھی، مگر آخری فرمانرواؤں کی نااہلی اور اندرونی نفاق نے ریاست کو کمزور کر دیا تھا۔ کابؔل پر تسلّط کے دوران ۱۵۸۶ء میں اکبؔر نے ایک فوج بھیج کر کشمیر پر بھی قبضہ کرلیا اور اسے کابؔل کے صُوبے کا ایک حصّہ بنا دیا۔

۶۔ سندھ شمالی ہند میں اب یہی ایک آزاد صُوبہ رہ گیا تھا۔ اتفاق سے آخری فرمانروا حسنؔ ارغون لاولد مرا تو اس کے اُمراء تخت پر قابض ہونے کے لیے باہم دست و گریبان ہوئے۔ اکبؔر نے موقعہ غنیمت سمجھا۔ ملتان کے

ہندوستان
اکبر ۱۶۰۵ء
کابل
بیاس
دریائے برہمپتر
لاہور
راوی
ملتان
ستلج
سرہند
پانی پت
دہلی
میکری
جے پور
جودھ پور
امرکوٹ
دریائے سندھ
گوالیار
دریائے چمبل
اجمیر
چتوڑ
چندیری
احمد آباد
دریائے نربدا
دریائے تاپتی
دریائے مہاندی
گومتی
دریائے گنگا
گور
دیو
دمن
دریائے گوداوری
دریائے کرشنا
دریائے تنگ بھدرا
گوا
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
دریائے کاوری
بحر ہند

صُوبہ دار کو چڑھائی کا حکم دے دیا۔ معمولی مزاحمت کے بعد ۱۵۹۱ء میں اس پر بھی مُغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

اِس طرح رفتہ رفتہ آزاد صُوبوں کو فتح کر کے اکبؔر نے اپنی مملکت کافی وسیع کر لی۔

انتظامِ سلطنت اکبؔر تھا تو اَن پڑھ اور جاہل، مگر شُجاعت، مستعدی اور انتظامی صلاحیت اِس میں کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ اتفاق سے زمانہ بھی اسے نہایت سازگار ملا۔ شیرشاؔہ جیسے عالم اور مُدبّر حکمران کو گزُرے ہوئے ابھی چند ہی دن ہوئے تھے، اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیت اور ان تھک کوششوں سے وہ مملکت کو جس ڈھرّے پر لگا گیا تھا اُس نے اکبؔر کے کام کو بہت آسان کر دیا۔ زمین کی پیمائش، لگان کا تعیّن، پرگنوں اور سرکاروں میں مملکت کی تقسیم اور مناسب بندوبست، عدالتوں کا قیام، اندرونی امن و استحکام، راستوں کی حفاظت، ڈاک کا معقول انتظام، سکّہ سازی میں اصلاح، بیرونی حملوں سے مدافعت کا ہمہ گیر پروگرام، گھوڑوں کے داغنے اور تنخواہ دار فوج رکھنے کا طریقہ، منصب کی تقسیم اور اس کے لیے تنخواہوں کا تعیّن، غرض شیرشاؔہ کی تمام اصلاحات سے اس نے کماحقہٗ فائدہ اُٹھایا اور انہیں وُسعت دے کر نئے مقبوضات میں بھی ان طریقوں کو رواج دیا، جس سے مُملکت کا انتظام اتنا مستحکم ہو گیا کہ مُدّتوں اس کے جانشین اس سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔

اِبتداء میں اکبرؔ کے مذہبی معتقدات

تم دیکھ چکے ہو کہ اکبرؔ کا بچپن نہایت پریشانی اور سرگردانی میں گزرا۔

پیدائش ایسے وقت میں ہوئی کہ ماں بے یار و مددگار حالتِ سفر میں تھی اور بعد میں بارہ تیرہ سال کی عمر تک اُسے کہیں ایک جگہ جم کر رہنا نصیب نہ ہوا، چنانچہ اس کی تعلیم و تربیت کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا اور وہ جاہل رہ گیا۔ البتہ زمانے کے نشیب فراز نے اوائل عمر ہی میں طبیعت میں گداز اور تجربات میں وسعت پیدا کردی تھی۔ دین کا صحیح علم تو اُسے نہ تھا لیکن ابتدا میں دین سے قلبی لگاؤ اُسے ضرور تھا اور سیدھے سادے اَن پڑھ مسلمان کی طرح جن باتوں کو دینی سمجھتا اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرتا۔ نماز باجماعت کی پابندی تو خیر کرتا ہی تھا، خود اذان دیتا، امامت کرتا اور مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا۔ اُمورِ شرعیہ کے نفاذ، ائمہ مساجد علماء وطلباء کی امداد محکمۂ احتساب کے ذریعہ مذہبی احکام کی پابندی وغیرہ کا جو نظم شیر شاہ نے قائم کیا تھا، اکبرؔ نے نہ صرف اُنہیں برقرار رکھا بلکہ ابتدا میں کافی وسعت دی۔ علماء کی عزت کرتا۔ شیخ عبدالنبی کا تو وہ دل سے معتقد تھا، صدرالصدور بنا کر انہیں کافی اختیارات دے رکھے تھے۔ کبھی کبھی ان کے گھر جاتا، اُن کے وعظ و تلقین اور درسِ حدیث سے فائدہ اُٹھاتا تھا۔ اُن کے فیضِ صحبت سے اپنے عقائد و اعمال میں کافی اصلاح بھی کرلی تھی، ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ ان کی جوتیاں سیدھی کیں۔ ایک دفعہ زعفرانی لباس پہننے پر شیخ نے سرِ دربار اِس شدّت سے ٹوکا کہ ان کا عصاء اکبرؔ کو جا لگا پھر بھی وہ چپ رہا۔ بزرگوں سے بھی اُسے غیر معمولی عقیدت تھی، سال بسال اجمیر جاتا اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر چڑھاوے چڑھاتا۔ کبھی کبھی

مارے عقیدت کے دہلی سے آگرہ تک پا پیادہ سفر کرتا۔ حضرت سلیم چشتیؒ کا بھی بڑا معتقد تھا۔ بیوی حاملہ ہوئی تو حصول برکت کے لیے خواجہ سلیم چشتیؒ کے حجرے میں بھیج دیا اور خدا کے فضل سے جب بیٹا تولد ہوا تو شیخ کی دعاؤں کی برکت سمجھ کر ان کے نام پر بیٹے کا نام سلیم رکھا۔ رفتہ رفتہ ارادت اتنی بڑھی کہ مزید روحانی برکات حاصل کرنے کے لیے خانقاہ کے گرد فتح پور سیکری کا خوشنما شہر بسایا اور پھر دارالسلطنت وہیں منتقل کر لیا۔ ۱۵۷۵ء میں خانقاہ سے ملحق ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرائی، اس کا نام عبادت خانہ رکھا۔ ہر جمعہ کو بعد نماز اسی عمارت میں دربار خاص ہوتا اور علماء و مشائخ جمع ہو کر مذہبی اُمور پر بحث کرتے۔

اِسلام سے بغاوت اور دینِ الٰہی کا فِتنہ

تخت نشینی کے کوئی بیس سال بعد تک اُس کی عقیدت کا یہی حال رہا مگر رفتہ رفتہ اس کا یہ مذہبی رنگ پھیکا پڑنے لگا اور دین سے اس کی ساری عقیدت بغاوت میں تبدیل ہو گئی اور بعد میں تو وہ ایسا کھُل کھیلا کہ مذہب و اخلاق اور شرافت و انسانیت نے سر پیٹ لیا۔ زندگی کا نہ کوئی اصول رہا اور نہ ضابطہ۔ نفس کو جو مرغوب، ہوا وہی کر گزرا۔ شیعیت کی طرف راغب ہوا تو متعہ کو جائز کر کے خود امام عادل بن بیٹھا اور سُنّی علماء اور اکابرین کو بے حد اذیتیں پہنچائیں، بلکہ بعض کو تو بے قصور شہید کر دیا۔ ہندوّیت کی طرف بڑھا تو وضع قطع اور طرزِ معاشرت ہندوانی اختیار کی، تناسخ کے عقیدہ کا پرچار کیا، غیر اسلامی رسوم اور تیوہار اپنائے، مُردوں کو جلانے یا پانی میں بہانے کی ترغیب دی اور محل میں مندر بنوا کر بُت پرستی کا باقاعدہ انتظام کیا، سورج دیوتا کے ہزار ناموں

کا جاپ کرنے لگا اور رفتہ رفتہ بھگوان کے اوتار کا درجہ حاصل کرکے جھروکے سے درشن اور اپنی قدمبوسی کو رواج دیا۔ اسلام اور شعائرِ اسلام کی اہانت و تخفیف کے درپے ہوا تو کعبہ کے رُخ پیر کرکے سونا، خادموں کو احمدؐ و محمدؐ کے نام سے پکارنا، داڑھی مونڈنا اور دوسروں کو ترغیب دینا اس کا معمول بن گیا یہاں تک کہ ختنہ کو ممنوع قرار دینے اور مساجد کو منہدم کرانے سے بھی باز نہ رہا۔ ہجری سن کی جگہ الٰہی سن جاری کیا جس کا آغاز اس کی تخت نشینی کے سال سے کیا گیا۔ اباحیت پر اُترا تو گھوڑیوں کو بھی مات کر دیا۔ شراب، جُوا، زنا وغیرہ کو نہ صرف مُباح اور جائز ٹھہرایا بلکہ اپنے چیلوں کے لیے ان کی باقاعدہ تنظیم کی۔ جین مت سے متاثر ہوا تو ذبیحہ کو ممنوع قرار دیا اور میّت کو دفن کرنے کے بجائے ان کے طریقے پر درختوں پر باندھ دینے پر زور دیا۔ عیسائیت کے چکر میں آکر حضرت مریمؑ کو معبود بنایا اور بعض مشرک قوموں کے طریقے اختیار کرکے آگ اور ستاروں کی پُوجا بھی کی۔ غرض جس مذہب کا داعی بھی اس کے پاس پہنچا اس سے متاثر ہوکر یا محض اسے خوش کرنے کے لیے اس مذہب کی کوئی نہ کوئی بات اپنالی۔ آخر میں فرعونیت کا سودا سمایا تو خداوندِ ولی نعمت بن کر رعایا سے سجدۂ تعظیمی کرایا۔ اپنے نام جلال الدین اکبر کی رعایت سے سلام کے لیے اللہ اکبر اور جواب میں جل جلالہٗ کو رواج دیا اور خدا و رسول کے منصب کا اجارہ دار بن کر ۱۵۸۲ء میں "دینِ الٰہی اکبر شاہی" کے نام سے ایک نیا دین گھڑ کر رائج کیا جو ہر قسم کے رطب و یابس کا ملغوبہ اور اکبرؔ کی نفسانیت کا مجموعہ تھا۔ اس دین میں داخل ہونے والے کو بیعت کے وقت اپنا سر اکبرؔ کے پاؤں پر رکھ کر اقرار کرنا پڑتا تھا کہ وہ جان و مال اور دین و ناموس کو ترک کرکے اخلاص کا ثبوت دے گا۔

اکبؔر کی اس لغویت کو مقبولیت تو کیا خاک ہوتی، البتہ چند درباری مسخروں کی دلگی کا سامان ضرور ہوگیا۔ لیکن چڑھتے سورج کے پجاریوں اور حاشیہ نشین درباریوں کا دین و مذہب ہی کیا؟ انہیں تو اقتدار وقت کی خوشنودی چاہیئے خواہ اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ ان کا تو مسلک ہی ہوتا ہے بادشاہ کی ہر بات اور ہر کام پر احسنت و مرحبا اور آمنّا و صدّقنا کہہ کر اپنا اُلّو سیدھا کرنا۔ پھر بھی باوجود کوشش کے اس نئے دین کے ماننے والوں کی تعداد اٹھارہ سے متجاوز نہ ہوسکی۔ امراء اور اعیان حکومت کی بھاری اکثریت نے تو اسے منہ بھی نہ لگایا بلکہ حتی الامکان مخالفت ہی کرتی رہی۔ یہاں تک کہ ہندو امرا جنہیں پرچانے کے لیے اس نے اپنے اس دین میں متعدد ہندوانی رسوم اور عقائد شامل کرلیے تھے اس سے دور ہی رہے اور درباری مسخرے بیربؔل کے سوا کسی نے اس کی طرف رُخ نہ کیا۔ مشہور درباری امراء بھگوانداؔس اور ٹوڈرؔمل نے تو کھلم کھلاّ مخالفت کی اور مانؔ سنگھ کو جب چیلہ بننے کے لیے کہا گیا تو اس نے صاف کہا "میں ہندو ہوں" کہیے مسلمان ہوجاؤں" تیسرا راستہ مجھے معلوم نہیں جسے میں اختیار کروں۔" آخری عمر میں خود اکبر اور اس کے ان اٹھارہ چیلوں کے بھی جب اعضاء ڈھیلے پڑے تو سارا گھوڑی پن ہوا ہوگیا اور اکبؔر کی وفات کے بعد اس کی میّت کے ساتھ اس کا یہ باطل دین بھی دفن ہوگیا۔

اکبر میں تبدیلی کے اسباب

اکبؔر کے ابتدائی معتقدات کے بعد جب اُس کی ان حرکات اور دینِ حق سے بغاوت پر نگاہ جاتی ہے تو معاً یہ خیال گزرتا ہے کہ آخر یہ غیر معمولی تبدیلی ہوئی کیوں؟ اس کے دراصل چار اہم اسباب تھے:

(۱) اکبؔر کی جہالت اور اقتدار کا نشہ۔
(۲) محل سرا میں غیر مسلم رانیوں اور دربار میں غیر مسلم اُمراء کا اثر و رسُوخ۔
(۳) شیعہ اُمراء کی کثرت اور شیعیت کا زور۔
(۴) دُنیا پرست علماء کا غلط طرزِ عمل اور ان کی ریشہ دوانیاں۔
آؤ اِن سارے اسباب کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں۔

اکبؔر کی جہالت

اِس بگاڑ کا سب سے بنیادی سبب دراصل اکبؔر کی جہالت تھی۔ بچپن میں اُس کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ ہوسکا اور کم سنی ہی میں اِقتدار کے نشے نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ دین کی رُوح تو خیر اس کے پیشرو مغل بھی جذب نہ کر سکے تھے، کیونکہ یہ لوگ اسلام سے اس وقت روشناس ہوئے جب خود مسلمانوں کے تہذیبی مرکزوں میں انحطاط رُونما ہوچکا تھا اور ان کی بھاری اکثریت، عقائد و اعمال کے لحاظ سے کافی بگڑ چکی تھی۔ چنانچہ اسلام لانے کے باوجود تیموؔر کی مسلم کُشی، بابؔر کی عیش کوشی اور ہمایوؔں کی بے راہ روی اس بات کا عین ثبوت تھیں کہ دینِ حق سے ان کا لگاؤ برائے نام ہی تھا لیکن ہر طرح کی کوتاہی کے باوجود اُس کے پیشرو مغل بہرحال دین سے عناد نہیں رکھتے تھے۔ اکبؔر کو تعلیم و تربیت کا موقعہ تو ملا نہیں تھا غیر معمولی اقتدار حاصل ہوا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا اور اپنے کو عقلِ کُل اور مقتدرِ اعلیٰ سمجھ بیٹھا، یہاں تک کہ اُسے خدا اور رسول کی بالاتری بھی گوارا نہ ہوئی اور دین و اخلاق کے اُصول و ضوابط سے آزاد ہوکر ایک نیا دین گھڑ ڈالا۔

محل میں غیر مسلم رانیوں اور دربار میں غیر مسلم اُمرار کا غیر معمولی رسوخ

غیر مسلموں سے ازدواجی تعلقات قائم کرکے اور انہیں اُونچے اونچے عہدے دے
کر اکبر نے ان کی دلی ہمدردیاں تو ضرور حاصل کرلیں اور اپنے حریف افغانوں،
سرکش راجپوتوں اور آزاد صوبوں کے مسلم حکمرانوں کو کچلنے میں اسے ان لوگوں سے کافی
مدد ملی مگر دین کا صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس کا اثر یہ ہوا کہ خود
اس کے دماغ پر غیر اسلامی اثرات چھانے لگے، شاہی محل اور دربار کی فضا بھی
کافی متاثر ہوئی۔ غیر مسلموں کی دلجوئی کے لیے اکبر نے بہت سے مشرکانہ عقائد و رسوم
اپنائے اور انہیں فروغ دینے کے لیے اپنا اثر و رسوخ بھی استعمال کیا۔

شیعی اثرات

ایران کے صفوی سلاطین شیعی عقائد میں بیحد غلو رکھتے تھے۔ ہمایوں
ایران پہنچ کر خود بھی شیعیت کی طرف مائل ہوگیا تھا اور ان سے
اس شرط پر مدد حاصل کی تھی کہ شیعی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کرے گا۔ ہندوستان
لوٹا تو اس کے ساتھ کثیر تعداد میں شیعہ سپاہی، اُمرار اور علمار آئے۔ چونکہ ان ہی
کی مدد سے ہندوستان پر دوبارہ تسلّط حاصل ہوا تھا اس لیے اُونچے اُونچے عہدوں
پر وہی لوگ فائز ہوئے اور ایران سے گہرے تعلقات کے موجب بنے۔ رفتہ رفتہ ایرانی
علمار، شعرا، صوفیا اور ملازمت کے متلاشی لوگوں کی خاصی تعداد منتقل ہوکر ہندوستان
آگئی اور یہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ان کی وجہ سے ایرانی افکار و خیالات
کی کافی اشاعت ہوئی۔ ان کے اثر و رسوخ اور ان کی صحبت نے اکبر کو بھی متاثر
کیا خصوصاً ان عقائد و اعمال کو تو اُس نے بآسانی اپنایا اور ان کی ترویج کی جو

اس کی طبیعت سے مناسبت رکھتے تھے مثلاً متعہ کا جواز، امام عادل کا معصوم اور
مجتہد العصر ہونا اور صحابۂ کرامؓ نیز صلحائے اُمت کی شان میں گستاخیاں اور اپنے
کو ان سے برتر سمجھنا وغیرہ۔ اسی طرح بگڑے ہوئے صوفیاء کے غیر اسلامی معتقدات
نے بھی اس کے ذہن کو غلط رُخ پر ڈالا خصوصاً شرعی احکام کا استخفاف اور
کفر و اسلام نیز عبد و معبود میں فرق نہ کرنا وغیرہ۔

علماء کا غلط طرزِ عمل

اکبر کے رویہ میں تبدیلی کی سب سے زیادہ ذمہ داری
اُس دور کے ان علماء پر عائد ہوتی ہے جنہوں
نے اسلام کی غلط نمائندگی کر کے اسے بہکا دیا۔ ابتدا میں اکبر کو نہ صرف دین سے
لگاؤ تھا بلکہ وہ علماء و مشائخ سے بھی غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا۔ اپنی معلومات
میں اضافہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہی کے لیے اُس نے شیخ عبد النبی کی شاگردی
اختیار کی اور کافی نیاز مندی کا ثبوت دیا۔ علماء کے علم اور مشائخ کی صحبت
سے استفادہ کرنے کے لیے فتحپور سیکری میں عبادت خانہ تعمیر کرایا، جہاں ان کی
ایک کثیر تعداد جمع ہوتی تھی اور دین کے اُصولی اور فروعی مسائل زیر بحث آتے
تھے۔ اگر علماء و مشائخ نے اپنا فرض پہچانا ہوتا اور دین کی صحیح نمائندگی کرتے
تو اکبر اَن پڑھ ہونے کے باوجود عملی و اعتقادی گمراہیوں سے بچ جاتا اور اس کی
بر معمولی قوت دین کی تخریب کے بجائے اس کی خدمت پر صرف ہوتیں مگر یہاں
ر نقشہ ہی دُوسرا تھا۔ عبادت خانہ کی مجلس میں اگرچہ سو سے زیادہ علماء شریک
رتے تھے لیکن ان کی اکثریت کو جو چیز یہاں تک کھینچ کر لاتی تھی وہ دین کی محبت
یں، نفس کی بندگی تھی۔ ان کی اکثریت نے لفظ عالم کی بھی لاج نہ رکھی اور ایسے

غلط مظاہرے کیے کہ انہیں بیان کرتے ہوئے بھی دُکھ ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو نشستوں پر جھگڑا ہوا، ہر ایک بادشاہ سے قریب اور سب سے آگے ہونا چاہتا تھا۔ تعصّب اور ہٹ دھرمی کا یہ عالم تھا کہ معمولی اختلافِ رائے کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ بات بات پہ لڑتے، بحث کے وقت ان کے چہرے سُرخ ہوجاتے، رگیں پھُول جاتیں، بدکلامی پر اُتر آتے اور معمولی اختلاف رائے پر ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگتے۔ بسا اوقات تو ان کی کج بحثیوں سے عبادت خانے میں بے حد شور ہوتا اور ہلڑ سا مچ جاتا۔ ظاہر ہے کہ اکبرؔ جیسا خود سر اور آزاد خیال حکمران ایسی حرکات کو کہاں تک گوارا کرسکتا تھا۔ آخر اُس نے حکم دے دیا کہ ان میں جو نامعقول ہوں آئندہ انہیں مجلس میں نہ آنے دیا جائے۔ اِس طرح علماء کا رہا سہا وقار خود بخود ختم ہوگیا اور حاشیہ نشینوں کو موقع مِل گیا کہ اکبرؔ کو جدھر چاہیں بہکالے جائیں۔ اِن لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ بادشاہ جاہل ہے، قرآن وسنّت کا صحیح علم نہیں رکھتا ہم جو کچھ کہیں گے یا کریں گے اُسی کو وہ اسلام سمجھے گا، مُبادا ہم اُس کی گمراہی کا موجب نہ ہوں۔ نتیجہ وہی ہوا۔ ان کی کج بحثیوں اور جُزئیات میں اختلافِ رائے پر ایک دُوسرے کی تکفیر سے وہ یہی سمجھا یا اُسے سمجھایا گیا کہ نعوذ باللہ اسلام کے پاس کسی مسئلہ کا کوئی متعیّن حل نہیں ہے بلکہ ہر مسئلہ میں اختلاف ہی اختلاف ہے۔ اِس لیے پہلے تو اختلافی امور میں فیصلہ دینے کے لیے اُس نے مجتہد ہونے کا اعلان کیا، لیکن اہلیت تو تھی نہیں، جہالت کے باعث عجیب عجیب احکام دیے، پھر رفتہ رفتہ اُسے اسلام ہی سے نفرت ہوگئی۔ سکون کی تلاش میں اُس نے دوسرے مذاہب کا رُخ کیا مگر جب انتشارِ ذہنی کسی طرح دُور نہ ہوا تو خود ایک دین گھڑ ڈالا۔

مجلس میں شریک ہونے والے علماء دو نوعیت کے تھے، ایک تو وہ جنہوں نے نہایت غلط اُسوہ پیش کیا اور فروعی اختلافات پر ایک دُوسرے کی تکفیر کرکے اکبر کو دین ہی سے متنفّر کردیا۔ دُوسرے علماء سُوء جنہوں نے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے اکبر کو مجتہد کا درجہ دیا۔ اور اس کی ہر بے راہ روی کے لیے سندِ جواز عطا کی اور رفتہ رفتہ اُسے اتنا پھُلایا کہ وہ ایک نیا دین گھڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ پہلے گروہ کے سرخیل مخدوم الملک اور صدرالصدور تھے اور دُوسرے کے مُلّا مبارک ناگوری اور ان کے بیٹے ابوالفضل اور فیضی۔

مخدوم الملک

ان کا نام عبداللہ تھا۔ یہ سُلطان پور کے رہنے والے تھے فقہ اور دُوسرے اسلامی علوم میں انہیں کافی دسترس حاصل تھی، بال کی کھال نکالنے میں اُستاد تھے۔ ہمایوں کا دورِ اوّل تھا۔ ان کے علم و کمال کا شہرہ سُن کر ہمایوں ان کا مُعتقد ہوگیا، انہیں مخدوم الملک کا خطاب دے کر قاضی القضاۃ مقرر کیا، امور شرعیہ میں ان کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا تھا۔ ہمایوں کے بعد شیرشاہ کے دور میں بھی ان کا عہدہ بحال رہا، اور اپنی نمایاں خدمات کے صلے میں انہوں نے شیرشاہ سے شیخ الاسلام کا خطاب حاصل کیا اور محکمۂ احتساب کے کرتا دھرتا ہوگئے۔ اس غیرمعمولی عُروج نے رفتہ رفتہ ان کے دل میں دینی پندار کی جگہ دولت کی حرص پیدا کردی۔ شیرشاہ چونکہ خود زبردست عالم اور بااصول حکمران تھا اس لیے اس کی زندگی میں تو ان کی دال نہ گلی البتہ سلیم شاہ کے دور میں جب عوام پر ان کا اثر و رسُوخ بڑھ گیا تو بادشاہ بھی اُن سے دبنے لگا۔ اس سے انہوں نے خوب ناجائز فائدہ اُٹھایا، سارا زور دولت سمیٹنے اور اپنے ہم عصر علماء کو نیچا دکھانے پر

صرف کرنے لگے۔ تنگ نظر اتنے تھے کہ فروعی اختلافات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے
تھے۔ کسی پر بدعت کا الزام لگاتے، کسی کو رافضی بتاتے اور معمولی اختلاف پر کفر کا
فتویٰ دے کر گردن زدنی شمار کرتے اور بادشاہ پر دباؤ ڈال کر سخت سزائیں دلواتے
چنانچہ علمار کی اکثریت اُن سے سہم گئی۔ کسی میں مخالفت کی جرأت نہ رہی، زبانیں
گنگ ہوگئیں۔ مہدویت کا بڑا زور تھا۔ شیخ علائی اور خان نیازی کے تقویٰ اور
خلوص کی وجہ سے ان کا اثر بہت بڑھ رہا تھا۔ بُرائیوں کو مٹانے اور بھلائیوں کو
فروغ دینے کے سلسلے میں اس گروہ کی گراں قدر خدمات کے مخالف و موافق سب
ہی قائل تھے۔ بہت سے غیر متعلق لوگ بھی ان کے طور طریق کو دل سے پسند کرتے
تھے۔ مخدوم الملک کو ان کی یہ غیر معمولی مقبولیت کھلنے لگی، وہ انہیں مٹانے کے
درپے ہوئے۔ ان پر جھوٹے الزامات لگائے گئے اور مملکت کے لیے ان کے وجُود کو
خطرناک باور کرا کے ان پاکباز بزرگوں کو اتنی دردناک سزائیں دلوائیں کہ سُن کر
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مہدویت کا شاخسانہ ہاتھ آگیا تھا جس پر چاہتے یہی
اتہام لگا کر سخت اذیت پہنچاتے چنانچہ کتنے وہ بزرگ بھی ان کے مظالم کا شکار
ہوئے جن کا اس گروہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ غرض مہدویت، رافضیت یا بدعت
کے الزام میں متعدد لوگ احتساب کے شکنجے میں کسے گئے مگر یہ ساری سختی دُوسروں
کے معاملے میں تھی۔ مخدوم الملک کا اپنا یہ حال تھا کہ صاحب ثروت واستطاعت
ہونے کے باوجود زکوٰۃ اور حج جیسے فرائض کی ادائیگی سے گریز ہی کرتے رہے۔ زکوٰۃ سے
بچنے کے لیے شرعی حیلے کی آڑ لے رکھی تھی۔ سال کے اندر ہی اندر سارا مال اہلیہ کے نام
ہبہ کر دیتے جسے وہ دورانِ سال ہی ان کے نام پر منتقل کر دیتی۔ حج کی فرضیت سے

انکار کے لیے انھوں نے یہ بہانہ بنا رکھا تھا کہ خشکی کی راہ جاؤ تو ایران کے رافضیوں سے سابقہ پیش آتا ہے اور تری کی راہ جاؤ تو فرنگیوں سے عہد و پیماں کرنا پڑتا ہے اس لیے یہ فرض ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ اپنی ان حرکات کے باعث وہ معقول لوگوں کی نگاہوں سے تو خیر گر ہی گئے تھے خود سلیم شاہ ان کی بے جا حرکات اور غیر معمولی مداخلت کے باعث ان سے نفرت کرنے لگا تھا۔ ایک دفعہ تو اس نے اپنے امراء کے سامنے یہاں تک کہہ دیا کہ "بابر کے چاروں بیٹوں کو تو ہم نے نکال دیا مگر یہ پانچواں بیٹا باقی رہ گیا ہے۔"

سُوری خاندان کی بساط اُلٹی تو وہ اکبری دربار سے وابستہ ہو گئے۔ محکمہء احتساب ان کے سپرد ہوا۔ ابتدا میں یہاں بھی ان کی نوبت بجتی رہی اور وہ اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے رہے۔ کافی دولت سمیٹی، کروڑوں رُوپے جمع کر لیے اور متعدد لوگوں کو اپنی تنگ نظری اور تشدد کا نشانہ بنایا۔ اکبر کو ان کی کوتاہیوں کا علم ہوا تو اس نے بعض اختیارات اُن سے لے لیے اور شیخ عبدالنبی کو صدالصدور بنا کر مذہبی امور کا انصرام ان کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ تک ان دونوں میں اتفاق رہا اور الحاد و شیعیت کے خلاف دونوں صف آرا رہے لیکن عبادت خانہ کے مباحثوں میں انتہائی لغو کردار کا مظاہرہ کیا اور ایک دُوسرے پر اتنے کیچڑ اُچھالے کہ اللہ کی پناہ! بدکلامی اور تکفیر تک پر اُتر آئے اور رفقہ کے جُزئی اختلافات کو اتنی اہمیت دی کہ انھیں پر کفر و ایمان کو منحصر کر دیا۔ آخر یہ حرکات رنگ لائیں۔ اکبر بدظن ہو ہی چکا تھا، مخالفوں کو بھڑکانے اور ان سے انتقام لینے کا موقعہ مل گیا۔ شیخ مبارک ناگوری نے مخدوم الملک کے ہاتھوں بیحد اذیت اُٹھائی تھی۔ مہدویوں کی تکفیر کے معاملے میں وہ ان سے اختلاف رائے

رکھتا تھا۔ مخدوم الملک نے خود ان پر مہدویت اور ہیمو سے سازباز کا الزام لگا کر گردن زدنی قرار دیا تھا لیکن وہ چھپ چھپا کر بچ نکلے تھے۔ اب اپنے بیٹوں کی وساطت سے اکبرؒ کے دربار تک ان کی رسائی ہو گئی تھی۔ باپ بیٹوں نے مخدوم الملک سے انتقام لینے کے لیے اکبر کو خوب بھڑکایا اور آخر میں شیخ مبارکؒ نے ۱۵۷۹ء میں ایک محضر نامہ تیار کیا جس کا لُبِ لُباب یہ تھا "بادشاہ ظلِ اللہ ہے، امام عادل ہے، اس کا مرتبہ مجتہدوں سے بڑھ کر ہے، وہ کسی کا پابند نہیں، اس کا حکم سب پر بالا ہے" یہ محضر نامہ گویا دین و مذہب کا قتل نامہ اور مخدوم الملک و صدر الصدور کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔ ان دونوں سے بھی جبراً دستخط لیے گئے مگر اس کے بعد مخدوم الملک نے دربار میں آنا چھوڑ دیا۔ اس پر اکبر نے بگڑ کر انھیں حجاز روانہ کیا۔ چار سال بعد بغیر اجازت واپس لوٹے تو گجرات میں قید کر لیے گئے، بہت بوڑھے ہو چکے تھے، قید کی اذیتیں برداشت نہ کر سکے، احمد آباد ہی میں مر گئے۔ ان کا گھر بار، مال و اسباب، بحقِ سرکار ضبط ہو گیا۔ گھر کی تلاشی ہوئی تو تین کروڑ روپے نقد اور ان کے گورخانے سے چند صندوق برآمد ہوئے جن میں سونے کی اینٹیں چُنی ہوئی تھیں اور جو مُردوں کے بہانے دفن کیے گئے تھے ظاہر ہے مخدوم الملک کی ان کوتاہیوں نے اکبرؒ کو علماء سے اور زیادہ بدگمان کر دیا۔

صدر الصدور شیخ عبد النبی

آپ گنگوہ کے رہنے والے تھے۔ دسویں صدی کے مشہور بزرگ شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے بیٹے اور بہت بڑے عالم تھے۔ جوانی میں حج کو گئے، وہیں تعلیم پائی۔ قرآن و سنت کا صحیح علم ہونے کے باعث آپ کا ذہن بہت صاف تھا۔ حق گوئی اور بیباکی بھی آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ عقائد و اعمال کی معمولی بے راہ روی آپ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ حجاز کے قیام نے اس پر اور جلا کر دیا۔ گھر آئے تو سب سے پہلے پدر بزرگوار سے مڈبھیڑ ہوئی۔ وہ صاحب ارشاد بزرگ ہونے کے

باوجود سماع کے قائل اور عملاً اس طرف راغب تھے بلکہ اس کے جواز میں ایک رسالہ بھی لکھا تھا۔ آپ سماع کو بدعت سمجھتے اور لوگوں کو اس سے مجتنب رہنے کی تلقین کرتے۔ والد کے رد میں ایک رسالہ بھی تحریر کیا۔ والد بہت ناراض ہوئے اور غالباً عاق بھی کردیا، مگر اس تصنیف کے باعث آپ کے علم اور تقویٰ کی بڑی شہرت ہوئی۔ آگرہ پہنچے اکبر بھی ان کا معتقد ہوگیا، شایانِ شان برتاؤ کیا، حدیث سننے آپ کے گھر جاتا۔ کبھی کبھی تو شیخ کی جوتیاں بھی سیدھی کیں۔ شیخ کی مسجد میں جھاڑو دینے میں وہ فخر محسوس کرتا تھا۔ شیخ نے بھی عالمِ دین ہونے کی لاج رکھی۔ نہایت بیباکی اور استغنا کا ثبوت دیا۔ بادشاہ کو غلطیوں پر برابر ٹوکتے اور نیک عملی کی تلقین کرتے رہے۔ ایک دفعہ تو زعفرانی لباس پہننے پر شیخ نے بادشاہ کو مارنے کے لیے سرِ دربار عصا اُٹھایا یہاں تک کہ عصا کا سرا بادشاہ کو جا لگا۔ آپ اپنے حریف مخدوم الملک سے عُمر میں تو چھوٹے مگر تقویٰ و پاکبازی میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔ اکبر آپ کی نیک نفسی اور خلوص سے بے حد متاثر تھا، آپ کو صدرالصدور مقرر کیا۔ اس عہدہ پر فائز ہوکر آپ نے مساجد و مدارس کے مستحقین اور غُربا و مساکین نیز دینی اداروں کی دِل کھول کر مدد کی۔ آٹھ دس سال تک آپ کا طوطی بولتا رہا۔ عدالت کے اختیارات بھی آپ کو تفویض ہوئے۔ دینی امور میں آپ بے لاگ فیصلے کرتے۔ احتساب میں بھی آپ کچھ کم متشدد نہ تھے۔ بعض امور میں اکبر کی مرضی کچھ اور ہوتی آپ حق پرستی کے جذبے کے تحت اپنے فیصلے پر اصرار کرتے۔ آپ کا ایک فیصلہ تو اکبر کو بے حد ناگوار گزرا اور یہی در اصل آپ کے زوال کا پیش خیمہ بنا۔ متھرا کے ایک برہمن سے نہایت سنگین جُرم سرزد ہوا

آپ نے جُرم کی پاداش میں اُسے قتل کرادیا۔ اتفاق سے وہ اکبر کی رانی جودھا بائی کا پروہت تھا چنانچہ رانی نے اکبر کو اشتعال دلایا۔ اِدھر ابوالفضل وغیرہ نے شرعی نقطۂ نظر سے اس فیصلے کو غلط بتا کر اور زیادہ مشتعل کردیا۔ اکبر جیسا خودسر اس غیر معمولی مداخلت کو کیوں کر گوارا کرتا۔ مطلق العنان بادشاہت تو پوری مملکت کو اپنی مرضی کا تابع دیکھنا چاہتی ہے۔ جس نے بیرم خاں جیسے وفادار اور محسن اتالیق کو برداشت نہ کیا، وہ شیخ سے دب کر کیا رہتا چنانچہ وہ اُن کے درپے ہوا۔ مگر ان کے اثر و رسوخ اور دینی ساکھ کے باعث ہاتھ ڈالنے کی جُرأت نہ ہوتی تھی۔ اتفاق سے بعض اسباب ایسے پیدا ہو گئے کہ موقع مل ہی گیا۔ عبادت خانے کی مجلسوں میں مخدوم الملک سے آپ کی نوک جھونک اور ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل اور تکفیر کے باعث ان کے وقار کو غیر معمولی ٹھیس تو لگ ہی چکی تھی، محضرنامے پر علمائے سوء کے دستخط سے رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو گئی، اب دینی امور میں بھی آخری فیصلہ بادشاہ کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔ صدرالصدور اور مخدوم الملک سے بھی بہ جبر دستخط لیے گئے اور انہیں سارے اختیارات سے بے دخل کر کے حجاز روانہ کردیا گیا۔ چار سال بعد بغیر اجازت واپس آئے تو گرفتار کر کے دربار میں حاضر کیے گئے۔ اکبر کی ساری عقیدت مندیاں بغض و عناد میں بدل چکی تھیں۔ اس نے نہایت ناروا سلوک کیا، باتوں باتوں میں بڑی بے دردی سے منہ پر مُکا مارا، اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ کبھی شیخ کی جوتیاں سیدھی کی تھیں۔ اس کے بعد ابوالفضل کو اشارہ کیا اس نے گلا گھونٹ کر مروادیا۔ لاش گھنٹوں بے گور و کفن میدان میں پڑی رہی۔

مُلّا مُبارک اور اُن کے بیٹے

مخدوم الملک اور صدر الصدور کا زوال دراصل صرف دو عالموں کا زوال نہ تھا بلکہ سیاسی امور میں دین کی مداخلت کا خاتمہ تھا۔ اکبر اپنی جہالت، علماء و مشائخ کے غلط اسوے، غیر مسلم اُمراء اور راجپوت رانیوں کی صحبت نیز عجمی اثرات کے باعث دن بدن دین سے دور ہوتا جا رہا تھا۔ اِدھر بڑھتے ہوئے اقتدار کے ساتھ قدم قدم پر دین کی مداخلت بھی اُسے بیحد کھلنے لگی تھی، لیکن مجبور تھا۔ چھٹکارے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی کیوں کہ اوّل تو مُسلمان گھر میں پیدا ہوا تھا، اسلامی روایات و عقائد بہرحال من مانی کرنے میں مزاحم ہوتے تھے، دُوسرے اعیانِ سلطنت میں خاصی تعداد اسلام پسند امراء کی تھی، ان کو ناخوش کرنے کی بھی جرأت نہ ہوتی تھی مگر جویندہ یابندہ، آخر علمائے سوء کا ایک طائفہ ہاتھ لگ گیا جس کے افراد نے اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر اس کی ہر لغو حرکت کو جائز ثابت کرنے میں بڑھ چڑھ حصّہ لیا، چنانچہ اب اسے من مانی کرنے میں آسانی ہوگئی۔ کسی نے سجدۂ تعظیمی کی آڑ لے کر بادشاہ کو سجدہ کرنے کا فتویٰ دیا، کسی نے داڑھی مونڈھنے اور زعفرانی یا لال لباس پہننے کو جائز ٹھہرایا، کسی نے متعہ کا راستہ دکھایا، کسی نے اسلام کے ساتھ ہندو مذہب کا جوڑ ملایا اور قرآن و پُران کی تطبیق کی، کسی نے اُسے امام عادل اور مجتہد العصر کا منصب دلوا کر دین کا مُثلہ کرنے کی راہ نکال دی۔ غرض اتباعِ نفس کے تحت بادشاہ جو کچھ کرنا چاہتا تھا اس کے لیے یہ طائفہ دلائل فراہم کرتا تھا یہاں تک کہ جب تمام مذاہب کو ملا کر ایک معجونِ مرکب تیار کرنے اور پھر اس میں اپنی مرغوباتِ نفسی کی چاشنی دے کر ایک نیا دین گھڑنے کا خیال ہوا تو اسی طائفہ نے تمام مذاہب کو حق ثابت کیا اور

یہ کہہ کر ایک باطل دین کی داغ بیل ڈلوائی کہ "نبی عربیؐ کی بعثت کو ایک ہزار سال ہو رہے ہیں دُوسرے ہزار سال کے لیے نئے دین کی ضرورت ہے ۔ اب وہ پُرانا دین کام نہیں دے گا ۔" اور پھر اس دین کے گھڑنے اور اس کے لیے راہ ہموار کرنے کی بھی پُوری کوشش کی ۔

اس طائفہ میں تھے تو متعدد لوگ مگر مُلّا مُبارک اور اُن کے بیٹے ابوالفضل اور فیضؔی اس کے سرخیل تھے ۔ مُلّا مُبارک ناگور کے رہنے والے تھے، ۱۵۰۵ء میں پیدا ہوئے ۔ ان کے باپ سندھ کے کوئی نووارد بزرگ تھے جو چند سال بعد ہی ایسے گئے کہ پھر پلٹ کر خبر نہ لی ۔ اِس طرح وہ بچپن ہی میں باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے ۔ ماں دُکھیا نے محنت مزدوری کر کے انہیں پالا پوسا اور تعلیم کا بھی معقول بندوبست کیا ۔ ابتدائی تعلیم ناگور ہی میں ہوئی ۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے گجرات گئے، تھے بہت ہی ذہین اور محنتی ، مروّجہ علوم و فنون میں کافی مہارت حاصل کر لی ۔ پھر تصوّف کی طرف مائل ہوئے اور چند ہی دنوں میں اس کوچے کی بھی خاصی سیر کر لی ۔ ابتداء میں شریعت کا بہت ہی پاس و لحاظ رکھتے اور جزئیات میں بھی غیر معمولی تشدّد برتتے تھے ۔ کوئی شخص ریشمی لباس، ٹخنوں سے نیچا پاجامہ یا سونے کی انگوٹھی پہن کر ملنے آتا تو بہت ہی برہم ہوتے اور اُتروا کر دم لیتے، پائینچے تک کتروا دیتے تھے، سماع کو بھی ناجائز سمجھتے تھے ۔

گجرات سے آگرہ آئے، یہاں بھی علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں کافی مشہور ہوئے اور اپنا ایک مقام پیدا کر لیا ۔ سلیم شاہ سوری کا زمانہ تھا مخدوم الملک کا طوطی بول رہا تھا ۔ علماء اور مشائخ کیا، سُلطان اور اُمراء تک ان سے دبتے تھے ۔

مذہبی امور میں ان کا فتویٰ قطعی اور اٹل مانا جاتا تھا۔ مُلّا مبارکؔ کو یہ بے حد ناگوار تھا۔ وہ اپنے حلقے میں مخدوم الملک کے فتوؤں اور ان کی شخصی کمزوریوں پر تنقید کیا کرتے تھے۔ شیخ علائی کے معاملے میں بھی مُلّا مبارک نے دبی زبان سے ان کے فیصلے کی مخالفت کی۔ مخدوم الملک کب گوارا کرتے، وہ اُن کے درپے ہُوئے۔ سلیم شاہ کے بعد اکبرؔ کا دور آیا تو مخدوم الملک نے حسب عادت مُلّا کے خلاف اس کے کان بھرے، مہدویت اور بدعقیدگی کے علاوہ ہیموؔ سے ساز باز کا بھی الزام لگایا۔ پولیس گرفتار کرنے گئی، مگر مُلّا چھُپ کر بھاگ نکلے اور اہل و عیال سمیت برسوں ادھر اُدھر کی خاک چھانتے پھرے۔ شاہی عتاب اور غریب الوطنی کے اس دور میں انھیں بیحد اذیتیں اُٹھانی پڑیں اور چونکہ یہ سب کچھُ مخدوم الملک کی سازشوں کا نتیجہ تھا اِس لیے مُلّا اور ان کے خاندان کے دل میں مخدوم الملک کے خلاف بغض و عناد اور نفرت و حقارت کی آگ سُلگنے لگی۔ آخر ایک امیر کی سفارش سے جاں بخشی ہوئی اور مُلّا غریب کا پیچھا چھُوٹا۔

مُلّا کے دونوں بیٹے ابوالفضلؔ اور فیضیؔ بھی باپ ہی کی طرح بڑے ذہین اور علم وادب میں بہت اُونچا مقام رکھتے تھے۔ فیضیؔ تو عالم ہونے کے علاوہ فارسی کا بہت بڑا شاعر بھی تھا۔ اُس نے اکبرؔ کی شان میں ایک زور دار قصیدہ لکھا اور اپنی شاعری کی بدولت ۱۵۶۶ء میں دربارِ شاہی میں جگہ پائی۔ رفتہ رفتہ اس نے اپنے باپ اور بھائی کے لیے بھی میدان ہموار کرلیا۔ ابوالفضلؔ، میر منشی مقرر ہوا اور پھر بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرکے حاشیہ نشینوں میں شامل ہوگیا۔ بیٹوں کی معرفت مُلّا مبارکؔ کی بھی دربارِ شاہی میں رسائی ہوگئی۔ یہ وہ دور تھا

جب مخدوم الملک اور صدر الصّدور کی غیر معمولی مداخلت کے باعث اکبؔر ان سے دل برداشتہ ہو رہا تھا ان باپ بیٹوں نے موقع کو غنیمت جانا اور انتقام کے جوش میں ان کے خلاف اور زیادہ بھڑکایا۔ اتفاق سے جودھا بائی کے پروہت کے قتل نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اکبؔر اور زیادہ مشتعل ہوا اور علماء کا زور توڑنے کی فکر کرنے لگا۔ مُلّا مبارکؔ نے محضر نامہ تیار کر کے اس کام کو اور بھی آسان کر دیا۔ درباری علماء سے بہ جبر دستخط لیے گئے اور اس طرح اکبؔر کو امام عادل اور مجتہد العصر ہونے کا منصب مل گیا۔ انتقام کے جوش اور اقتدار کی کرسی نے ان باپ بیٹوں کو اتنا اندھا کر دیا تھا کہ اُن لوگوں نے محضر نامہ کے عواقب و نتائج پر بھی غور نہ کیا۔ مخدوم الملک اور صدر الصدور حجاز روانہ کر دیے گئے اور اکبؔر کو من مانی کرنے کی کھُلی چھٹی مل گئی۔ طرح طرح کی بدعات رواج پانے لگیں اور ہر ایک میں ان باپ بیٹوں نے تعاون کیا۔ دینی امور میں اب یہی لوگ بادشاہ کے مُشیرِ خاص تھے، انہی لوگوں نے ایک نیا دین گھڑنے کی راہ دکھائی۔ ابوالفضل نے دینِ الٰہی کے عقائد و قواعد مرتّب کیے اور اس نئے مذہب کا خلیفۂ اوّل بنا۔

ابوالفضل اور فیضیؔ تو خیر شروع ہی سے آزاد مشرب تھے اور ان کا مذہب ہی تھا ہر معاملے میں بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملانا لیکن مُلّا مبارکؔ جو پہلے تقویٰ و طہارت میں مشہور اور حرمتِ سماع کے قائل تھے یہاں تک کہ باجے اور گانے کی آواز پر کانوں میں انگلیاں دیتے تھے، بُڑھاپے میں اُن کا بھی یہ حال ہو گیا کہ دن کا بیشتر وقت موسیقی سے لُطف اندوز ہونے میں گزرنے لگا۔ آخر اسی حال میں ۱۵۹۳ء میں مُلّا مبارکؔ نے انتقال کیا اور دو سال بعد ۱۵۹۵ء میں فیضیؔ بھی طویل اور تکلیف دہ

علالت کے بعد چل بسا۔ اس کی بے نقطوں کی تفسیر مشہور ہے۔

مخالفت اور ابوالفضل کا قتل

علمائے سوء اور حاشیہ نشین درباریوں نے بلاشبہ اکبر کی ضلالت کا سامان کیا اور وہ ہر بے راہ روی میں اس کا ہاتھ بٹاتے رہے مگر ملک نے اسے ٹھنڈے پیٹوں گوارا نہیں کیا۔ علمائے حق اور با اثر امراء کی ایک خاصی تعداد ایسی تھی جو اس کی ان حرکات کو دل سے ناپسند کرتی تھی۔ ان بزرگوں نے بڑے شد و مد سے مخالفت کی۔ ہر بے راہ روی پر اُسے ٹوکا، سمجھایا بُجھایا اور غلط روی سے باز رکھنے کی ہر ممکن تدبیر کی مگر اکبر نے اپنی جہالت اور نا عاقبت اندیشی کے باعث سُنی ان سُنی کر دی بلکہ رعونت میں آ کر بعض کو قتل بھی کرا دیا۔ مگر ان بزرگوں کی مساعی کا یہ اثر ضرور ہوا کہ اکبر کی بدعات اور گمراہیاں ملک میں عام نہ ہو سکیں۔

شیخ عبدالنبی کا زعفرانی لباس پر سر دربار ٹوکنا گزر چکا ہے۔ غیر مسلموں کے اثرات سے جب محل اور دربار کا رنگ بدلا تو دو درباری اُمراء قطب الدین خاں کوکہ اور شہباز خاں کنبوہ نے بڑی جرأت سے بادشاہ کو سمجھایا۔ عبادت خانے کی مجلسوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ناروا اعتراضات کا علم ہوا تو پورے مُلک میں بے چینی پھیل گئی۔ محضر نامہ کے بعد جب اکبر نے شرعی احکام میں تصرف شروع کیا تو جونپور کے بڑے قاضی مُلا محمد یزدیؒ نے بادشاہ کے بد مذہب ہو جانے کے باعث اس کے خلاف جہاد کا علی الاعلان فتویٰ دیا جس کی بنگال کے بڑے قاضی معز الملک اور دوسرے متعدد لوگوں نے بھی تائید کی۔ اکبر نے اگرچہ ان بزرگوں کو ایک بہانہ سے بلا کر شہید کرا دیا مگر اس کے خلاف مُلک میں نفرت

کی جو آگ سُلگ رہی تھی وہ دبنے کے بجائے اور بھڑک اُٹھی اور بنگال و بہار میں زبردست بغاوت ہوئی۔ جونپور کے جاگیردار خاں معصوم خاں اور اکبر کے مشہور دیوان خواجہ شاہ منصور وغیرہ تو اس کی بداعتقادی سے اتنے نالاں ہوئے کہ اُس کے بھائی حکیم مرزا کو بادشاہ بنانے کی کوشش کی۔ اکبر کا رضاعی بھائی اور سب سے بااثر امیر خانِ اعظم نے اس کی گمراہیوں پر بہت سمجھایا لیکن جب بادشاہ نہ مانا تو خفا ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا۔ اکبر کے آخری ایام میں اسلام پسند اُمراء نے خاصا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ خواجہ باقی باللہؒ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مجدد الف ثانیؒ کے اثر سے متعدد اُمراء اصلاحِ حال کی فکر میں لگ گئے تھے۔ ان اسلام پسند اُمراء میں شیخ فرید اور قلیج خاں وغیرہ نے کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ عبدالرحیم خانخاناں جیسا آزاد مشرب امیر بھی خواجہ باقی باللہؒ سے عقیدت کے باعث اب اسلام پسند عناصر کا ہم نوا ہو گیا تھا۔ شہزادہ سلیم کی ہمدردیاں بھی اسی گروہ کے ساتھ تھیں۔ ابوالفضل ابھی زندہ تھا۔ اسلام پسند عنصر اس کو فتنے کی جڑ سمجھتا تھا اور اصلاح کی خاطر اسے اکبر کی مصاحبت سے دُور کرنا چاہتا تھا۔ حُسنِ اتفاق ان کی یہ آرزو بر آئی۔ عبدالرحیم خانخاناں دکن کی فتح پر مامور ہوا تو اُس نے معاونت کے لیے ابوالفضل کو مانگا۔ اکبر نے درخواست منظور کر لی۔ خانخاناں نے اُسے دکن میں روک کر بے حد دق کیا۔ ابوالفضل نے متعدد شکایتی خطوط لکھے مگر بادشاہ تک کوئی خط نہ پہنچ سکا۔ اِدھر شہزادہ سلیم نے بغاوت کی اور الہ آباد میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چونکہ بااثر علماء کی خاصی تعداد اکبر کے مذہبی خیالات سے متنفر اور شہزادہ سلیم سے ہمدردی رکھتی تھی۔ اس لیے اس

آڑے وقت پر اکبؔر نے اپنے دیرینہ خادم ابوالفضؔل کو طلب کیا۔ وہ خوشی خوشی دکن سے روانہ ہوا۔ سلیؔم کو پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی۔ اُس نے ابوالفضؔل کو مروا ڈالنے کا منصوبہ بنایا۔ بُندیل کھنڈ کا راجکمار ویرسنگھ اِن دنوں لُوٹ مار کرتا پھرتا تھا۔ سلیؔم نے اسی کو آمادہ کیا۔ ابوالفضؔل گوالیار کے قریب پہنچا تھا کہ ویرسنگھ نے حملہ کر کے ۱۶۰۲ء میں اس کا کام تمام کر دیا۔

اکبؔر کی وفات

ابوالفضؔل کی وفات کا اکبؔر کو بے حد رنج ہوا، عرصے تک سوگ مناتا رہا۔ کئی بار یہ الفاظ دُہرائے "بادشاہی لینی تھی تو مجھے قتل کرتا ابوالفضل کو ناحق مارا۔"

اس کے بعد بھی اکبؔر تقریباً تین سال زندہ رہا مگر یہ پُورا دور انتہائی پریشانی اور خانگی اُلجھنوں میں گزرا۔ اکبؔر کے دو بیٹے دانیاؔل اور مرادؔ اس کی حیات ہی میں وفات پا چکے تھے۔ ایک سلیؔم باقی تھا سو وہ انتہائی دردِ سر بنا ہوا تھا بار بار بغاوت کرتا۔ ادھر ماؔن سنگھ اور بعض دُوسرے اُمرا سلیؔم کے بجائے اس کے بیٹے خسرؔو کو اکبؔر کا جانشین بنانا چاہتے تھے، مگر اسلام پسند عناصر شہزادہ سلیؔم کے حق میں تھے۔ اس صورتِ حال نے اکبؔر کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ آخر اس کی صحت پر اثر پڑا اور وہ سخت علیل ہوا۔ جب جینے کی کوئی آس نہ رہی تو بیگمات نے بامرار سلیؔم کو الٰہ آباد سے بُلوایا، بادشاہ سے معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ سلیؔم نے آبدیدہ ہو کر معافی مانگی۔ اکبؔر نے گلے لگایا اور معاف کر دیا۔ اِس بیماری سے اکبؔر جاں بر نہ ہو سکا اور ۱۶۰۵ء میں انتقال کر گیا۔ کہتے ہیں کہ مرتے وقت اُس نے کلمۂ شہادت ادا کیا اور سُورۂ یٰسین پڑھوا کر سُنی اور ایک راسخ العقیدہ مُسلمان کی حیثیت سے وفات پائی۔

۱۔ "پانی پت کا لق و دق میدان دیکھنے سے ایسا لگتا ہے گویا قضا و قدر نے اسے قوموں کے مابین آویزشوں کا فیصلہ کرنے ہی کے لیے مخصوص کر دیا۔" اس میدان میں کون کون سی اہم جنگیں لڑی گئیں ؟ کن کن کے مابین اور کیا نتائج رہے ؟

۲۔ اکبر کی پیدائش اور بچپن کے متعلق تم کیا جانتے ہو ؟

۳۔ بیرم خاں نے کیا خدمات انجام دیں ؟ اس کا زوال کس طرح ہوا ؟

۴۔ ازبک سرداروں نے کیوں بغاوت کی ؟ اکبر نے ان کے ساتھ کیا کیا ؟

۵۔ "اکبر زبردست فاتح تھا۔" اُس نے کون کون سے علاقے فتح کیے ؟

۶۔ انتظامِ سلطنت میں اکبر کو اپنے پیشرو شیر شاہ کے نمونے سے کیا مدد ملی ؟

۷۔ "اکبر شروع میں خوش عقیدہ مُسلمان تھا۔" اس پر تبصرہ کرو۔

۸۔ بعد میں اکبر کے مذہبی معتقدات میں کیا تبدیلیاں آئیں ؟ کیوں ؟

۹۔ دینِ الٰہی کیا تھا ؟ اس کا کیا حشر ہوا ؟

۱۰۔ "اکبر کے بگاڑ میں سب سے زیادہ ہاتھ اس دور کے علمائے سوء کا تھا۔" اس کی وضاحت کرو اور واقعات سے ثبوت فراہم کرو۔

۱۱۔ مخدوم الملک اور صدالصدور پر مختصر نوٹ لکھو۔

۱۲۔ مُلّا مبارک اور ان کے دونوں بیٹوں کی سیرت اور کاموں پر روشنی ڈالو۔

۱۳۔ "اکبر نے اپنی بدعات کو پھیلانے کی کوشش تو کی مگر نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکا۔" کیوں ؟

۱۴۔ ہندوستان کا خاکہ بنا کر اکبر کے حدودِ سلطنت دکھاؤ۔

باب۱۱

نورالدین جہانگیر ۱۶۰۵ — ۱۶۲۷ء

اکبر کی وفات کے وقت سب سے بڑا مسئلہ اس کی جانشینی کا تھا۔ با اثر اُمرا کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ شیخ فرید اور ان کے ساتھی شہزادہ سلیم کے حق میں تھے، مگر مان سنگھ اور بعض دوسرے اُمرا خسرو کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے جو شہزادہ سلیم کا بیٹا اور مان سنگھ کا بھانجہ تھا۔ شیخ فرید نے اس موقع پر نہایت بیدار مغزی کا ثبوت دیا۔ اُنھوں نے کوشش کر کے اُمرا کی اکثریت کو ہموار کرلیا۔ آخر مان سنگھ کی سازش ناکام ہوئی اور شہزادہ سلیم کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔ اِس کے بعد شیخ فرید تمام امرا کے نمائندے بن کر شہزادہ سلیم کے پاس گئے اور کہا "ہم سب آپ کی بادشاہت کی حمایت کریں گے بشرطیکہ آپ حلف اُٹھائیں کہ آپ شرعِ محمدیؐ کی حفاظت کریں گے اور اپنے بیٹے خسرو یا اس کے طرف داروں کو کوئی سزا نہ دیں گے۔"

شہزادے نے حلف اُٹھایا اور باپ کے مرتے ہی جہانگیر کے نام سے

تخت نشین ہوا۔

عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد اس نے وعدوں کو نبھایا۔ متعدد امور میں شرعِ محمدیؐ کی پاسداری کا بھی ثبوت دیا اور اکبری اثرات کو زائل کرنے میں ممد ہوا۔ وہ اپنے بیٹے خسرو اور اس کے حامی امراء کے ساتھ نہایت فیاضی اور فراخ دلی کے ساتھ پیش آیا۔ مان سنگھ سے بھی تعلقات استوار ہو گئے مگر خسرو کا ذہن ابھی صاف نہیں ہوا تھا، وہ اب بھی تخت نشینی کا خواب دیکھ رہا تھا۔

خسرو کی بغاوت

باپ بیٹوں میں مصالحت تو ہو گئی تھی مگر خسرو کا دل ابھی صاف نہیں ہوا تھا۔ اس لیے جہانگیر بھی اُس کی طرف سے مشکوک تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ خسرو ایک دن آگرہ سے نکل بھاگا۔ راستے میں اُسے کچھ حمایتی مل گئے، ان کی مدد سے وہ لُوٹ مار کرتا ہوا پنجاب پہنچا۔ وہاں سِکھوں کے سردار گورو ارجن سے بھی امداد لی اور لاہور پر چڑھائی کر دی۔ جہانگیر نے خسرو کی ان حرکات کو غیر معمولی اہمیت دی اور اپنے سب سے معتمد امیر شیخ فرید کو اس کے تعاقب میں بھیجا۔ شیخ فرید نے خسرو کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور اسے ساتھیوں سمیت گرفتار کر لائے۔ چونکہ معاملہ بہت ہی سنگین تھا اس لیے جہانگیر نہایت سختی سے پیش آیا۔ باغیوں کو عبرتناک سزائیں دیں۔ بہت سے موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے، جن میں گورو ارجن بھی شامل تھے۔ خسرو کو قید کر کے اس پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا۔ اُس کی زندگی کے باقی پندرہ سال قید ہی میں گزرے۔

بنگال میں عثمان خاں کی بغاوت

داؤد خاں کے قتل کے بعد ۱۵۷۶ء میں بنگال پر مغلوں کا جھنڈا لہرانے لگا تھا مگر ان

کے افغان حریف اب بھی پورے طور پر قبضے میں نہیں آئے تھے۔ عثمان خاں کی قیادت میں انھوں نے اپنے کو پھر منظم کر لیا اور اکبر کے لیے مدتوں دردِ سر بنے رہے۔ جہاں گیر کے دور میں بنگال کے صوبہ دار اسلام خاں نے ان کا زور توڑنا چاہا۔ ۱۶۱۲ء میں افغانوں نے زبردست مقابلہ کیا، عثمان خاں بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ باقی افغان سرداروں نے اطاعت قبول کر لی۔ جہاں گیر نے ان کے ساتھ بہت مناسب رویّہ اختیار کیا۔ انھیں معاف کر کے شاہی فوجوں میں بھرتی کی عام اجازت دے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ افغانوں کی خلافِ حکومت سرگرمیاں ختم ہوگئیں اور ان کی قوت سے مملکت کے استحکام میں مدد ملنے لگی۔

نور جہاں سے شادی

جہاں گیر کی زندگی کا یہ ایک نہایت اہم واقعہ ہے کیوں کہ اس شادی نے اس کی کایا پلٹ کر دی۔ ملکہ نور جہاں نے بادشاہ کو ایسا شیشے میں اُتارا کہ وہ اُس کی رائے کے خلاف کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ نظمِ مملکت عملاً اُسی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ سیاہ سفید کی وہی مالک بن گئی اور تمام امورِ سلطنت اُسی کی مرضی سے انجام پانے لگے۔ سکّوں تک پر اس کا نام آگیا اور بعض فرامین تک اُسی کے نام سے جاری ہونے لگے۔

نور جہاں کا اصلی نام مہرالنساء تھا۔ وہ ایران کے ایک نو وارد مرزا غیاث کی بیٹی تھی۔ اس کا باپ گردشِ روزگار کا شکار ہوا تو مجبوراً وطن کو خیرباد کہہ کر تلاشِ معاش کے لیے ہندوستان کا قصد کیا۔ اہل و عیال ساتھ تھے۔ راستے میں یہی بچّی پیدا ہوئی۔ ایک ایرانی سوداگر آڑے وقت کام آیا۔ اس کے ذریعے اکبر کے دربار میں رسائی ہوئی۔ باپ اور بھائی کو سرکاری ملازمت مل گئی۔ ابتدا میں

اُن کے عہدے بہت معمولی تھے ، مگر اُنہوں نے اعلیٰ قابلیت کے جوہر دکھائے اور رفتہ رفتہ دربارِ شاہی میں کافی اثر و رسُوخ حاصل کرلیا۔ مہرالنساء جوان ہوئی تو ایک ایرانی نوجوان علی قلی خاں سے اُس کا نکاح ہوگیا۔ علی قلی خاں نہایت جری اور بہادر تھا۔ ایک دفعہ اُس نے شیر کو پچھاڑ کر تلوار سے مار ڈالا تھا، جس پر خوش ہوکر شہزادہ سلیم نے اُسے شیر افگن کے خطاب سے نوازا تھا۔

اپنے آخری ایّام میں اکبر نے شیر افگن کو بردوان کے علاقے کا انتظام سپرد کر کے بنگال بھیج دیا۔ مہرالنساء بھی ساتھ گئی۔ اب وہ ایک بچّی کی ماں تھی۔ یہی بچّی بڑی ہو کر جہانگیر کے بیٹے شہریار سے منسوب ہوئی۔ جہاں گیر کے ابتدائی دورِ حکومت میں جب بنگال میں بغاوت کی آگ بھڑک اُٹھی تو شیر افگن بھی مشتبہ نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ بنگال کے گورنر قطب الدین خاں کو اشارہ ہوا وہ بازپُرس کے لیے شیر افگن کے گھر گیا اور نہایت بھونڈے طریقہ سے پیش آیا۔ شیر افگن نے تاؤ میں آکر اُسے قتل کر دیا اور خود بھی جان سے مارا گیا۔ گورنر کا قتل کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ گھر بار سب ضبط ہو گیا۔ مہرالنساء بیوہ ہو کر آگرہ پہنچی ۔ دو تین سال بعد جہاں گیر نے اُس سے عقد کر لیا۔ محل میں آکر وہ خوب چمکی اور پہلے نور محل اور پھر نور جہاں کے نام سے مشہُور ہوئی۔

فتوحات خسرو اور اُس کے ساتھیوں کا زور توڑنے اور افغانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے بعد جہانگیر نے مُلکی فتوحات کی طرف توجہ دی۔

میواڑ کی فتح راجپوتانہ کی [illegible] ریاست اکبر ہی کے دور میں فتح ہو کر مغل سلطنت کا ایک حصہ بن چکی تھی مگر وہاں کے راجہ قابو

میں نہیں آسکے تھے۔ وہ چھپ چھپ کر برابر لڑتے اور شورش برپا کرتے رہتے تھے۔ مقامی فوجوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود جب وہ قابو میں نہ آسکے تو جہاں گیر نے اس مہم پر اپنے بیٹے شہزادہ خرم کو مامور کیا۔ وہ ۱۶۱۴ء میں ایک زبردست فوج لے کر آگے بڑھا۔ رانا امر سنگھ نے حسب معمول پہاڑوں میں پناہ لے رکھی تھی۔ خرم نے چاروں طرف سے ناکہ بندی کر کے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ رانا نے اطاعت قبول کی اور اپنے بیٹے کرن سنگھ کو دربارِ شاہی میں بھیجا۔ جہانگیر نے اس کے خاندان کے ساتھ نہایت مخلصانہ سلوک کیا۔

۲۔ کانگڑا کی فتح شمالی پنجاب کے دشوار گزار پہاڑوں سے گھری ہوئی یہ ریاست بھی اکبر ہی کے دور میں فتح ہو چکی تھی مگر محلِ وقوع سے فائدہ اُٹھا کر کچھ عرصہ کے بعد یہاں کے راجہ نے اپنی قوت پھر بحال کر لی تھی اور خراج ادا کرنے میں لیت ولعل کرنے لگا تھا۔ خرم کی نگرانی میں وہاں فوج بھیجی گئی جس نے ۱۶۲۰ء میں ریاست پر دوبارہ قبضہ کر کے اُسے ضبط کر لیا۔

۳۔ دکن پر حملے شمالی ہند پر تسلط جما لینے کے بعد اکبر نے دکن کا رُخ کیا تھا اور ۱۶۰۰ء تک خاندیش، برار اور احمد نگر کو فتح کر کے عبدالرحیم خانخاناں کو وہاں کا ذمہ دار بنایا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ نظام شاہی اُمرا نے اپنی قوت پھر بحال کر لی اور ایک حبشی سردار ملک عنبر کی فوجی قیادت میں مغلوں کے مقبوضات پر چھاپہ مارنے لگے۔ ملک عنبر نے مرہٹہ کسانوں کو قزاقی (گوریلا) جنگ کا طریقہ سکھا کر مغلوں کو کافی پریشان کیا۔ ان کی سرکوبی کے لیے

جہاں گیر نے یکے بعد دیگرے کئی سرداروں کو متعین کیا مگر جب ایک پیش نہ گئی تو ۱۶۱۷ء میں شہزادہ خرم کو ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ روانہ کیا جس نے چاروں طرف سے گھیر کر دو تین معرکوں میں ایسی زبردست شکست دی کہ ان سرکشوں کے سارے کس بل نکال گئے اور ملک عنبر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ملک عنبر کی وفات کے بعد نظام شاہی اُمرا میں مقابلہ کی تاب نہ رہی اور ۱۶۳۳ء میں احمد نگر کی ریاست پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

یورپ کی تجارتی کمپنیاں

۱۴۹۲ء میں اسپین سے مُسلمانوں کے اخراج کے بعد وہاں کے باشندوں نے بحری مہمات کی طرف غیر معمولی توجہ کی۔ اسی سال کولمبس نے وسطی امریکہ کے قریب کے جزائر دریافت کیے۔ چند سال بعد ۱۴۹۸ء میں پرتگال کے واسکوڈی گاما نے جنوبی افریقہ کا چکر لگا کر ہندوستان پہنچنے کا راستہ دریافت کر لیا۔ رفتہ رفتہ یہاں سے ان کے تجارتی تعلقات قائم ہوئے اور مغربی سواحل کے بعض مقامات مثلاً گوا، ڈامن، دیو پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ تجارت کے علاوہ یہ لوگ عیسائیت کی تبلیغ اور سمندر میں لوٹ مار بھی کیا کرتے تھے۔ بحیرۂ عرب کے تجارتی راستے ان کی وجہ سے بے حد مخدوش ہو گئے تھے۔ شیر شاہ نے ان راستوں کی حفاظت کے لیے پچاس جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ تیار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی اور اس کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ پرتگیزیوں کو مسلمانوں سے خاص طور پر عناد تھا۔ وہ اپنی حرکات و سکنات سے اکثر اس کا مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے۔ اِس لیے عام طور پر مسلمان ان سے متنفر تھے۔

اکبر کے دور میں گوآ کے بعض پادریوں کی رسائی مغل دربار میں بھی ہو گئی۔ عبادت خانے کی ایک مجلس میں ان بدطینتوں نے بعض بزرگانِ دین بلکہ خود آنحضرتؐ کی شانِ اقدس میں نہایت گستاخانہ کلمات استعمال کیے۔ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھی اور ہر طرف سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہونے لگا۔ جہانگیر نے اپنے دور میں کچھ دنوں تک تو انہیں برداشت کیا اور ان کی شرانگیزیوں کے باوجود رواداری برتتا رہا مگر جب ان کی شرارتیں حد سے زیادہ بڑھ گئیں یہاں تک کہ انہوں نے ۱۶۱۳ء میں کچھ جہاز لوٹ لیے تو جہانگیر نے ناراض ہو کر ان کے تمام گرجا گھر بند کر دیے اور اندرونِ ملک میں ان کی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی پرتگیزیوں کی دیکھا دیکھی انگریزوں نے بھی ہندوستان سے تجارتی تعلقات قائم کرنا چاہا۔ اسی مقصد سے ۱۶۰۰ء میں برطانیہ کی ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام عمل میں آیا اور ۱۶۰۸ء میں ولیم ہاکنس نامی ایک انگریز کپتان جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے نادر اور قیمتی تحفے تحائف پیش کر کے کچھ تجارتی مراعات چاہیں مگر کامیاب نہ ہوا۔ ۱۶۱۷ء میں سر ٹامس رو نامی ایک اور انگریز سفیر شاہِ انگلستان کا خط لے کر مغل دربار میں حاضر ہوا۔ اُس نے بھی تحفے تحائف پیش کیے اور نورجہاں کو خوش کر کے مغل حدود میں تجارت کی اجازت حاصل کر لی۔

خرّم کی بغاوت

شہزادہ خرّم کی ان شاندار فتوحات نے اس کا وقار بہت بڑھا دیا ۔ جہاں گیر بھی بے حد متاثر ہوا ۔ اِن فتوحات کی خوشی میں اس نے ایک نہایت شاندار جشن کیا اور شہزادہ خرّم کو شاہجہاں کا خطاب دے کر اس کے اختیارات وسیع کر دیے ۔ ۱۶۲۰ء میں جہاں گیر علیل ہوا تو ولی عہدی کے لیے سب کی نگاہیں شاہ جہاں کی طرف اُٹھنے لگیں مگر نور جہاں کو یہ بات کسی طرح پسند نہ تھی ۔ وہ شاہ جہاں کو اپنی راہ کا روڑا سمجھتی اور اپنے داماد شہریار کو ولی عہد بنانا چاہتی تھی تاکہ جہاں گیر کے بعد بھی عنانِ حکومت عملاً خود اسی کے ہاتھ میں رہے ۔ مگر شاہ جہاں کی غیر معمولی مقبولیت اور شہریار کی نااہلی کے باعث کھُل کر کچھ کرنے کی ہمّت نہیں ہوتی تھی ۔ وہ موقع کی تلاش میں تھی کہ اتفاق سے ۱۶۲۲ء میں شاہ ایران نے قندھار پر چڑھائی کر دی ۔ نور جہاں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہا اور شاہ جہاں کو دُور پھینکنے کے لیے ایک چال چلی ۔ اُس نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس دلا کر مقابلے کے لیے اسی کے نام فرمان جاری کرا دیا ۔ شاہ جہاں اس وقت دکن میں تھا ۔ شاہی فرمان پہنچا تو مقابلے کے لیے روانہ ہوا مگر کچھ ہی دُور بڑھا تھا کہ نور جہاں کی اِس چال کو وہ بھانپ گیا اور مالوہ پہنچ کر آنا کانی کرنے لگا ۔ اِسی لیت و لعل میں کئی ماہ گزر گئے اور قندھار پر ایرانیوں کا قبضہ ہو گیا ۔ اب تو بادشاہ کو بدظن کرنے کے لیے کافی مواد ہاتھ آگیا ۔ نور جہاں نے بادشاہ کے خوب کان بھرے یہاں تک کہ وہ عزیز بیٹے کی طرف سے بہت ہی بدظن ہو گیا اور اُسے گرفتار کرنے کے لیے

باقاعدہ فوج روانہ کردی۔ شاہ جہاں باپ کا معتوب تین چار سال تک ادھر اُدھر خاک چھانتا رہا۔ سر چھپانے اور مدد حاصل کرنے کے لیے کبھی دکن گیا کبھی بنگال کا رُخ کیا کبھی گجرات، سندھ اور راجپوتانہ میں مارا مارا پھرا۔ باپ سے اپنی غلطی کی بار بار معافی چاہی، اپنے دو بیٹوں (اورنگ زیب اور داراشکوہ) کو بادشاہ کے پاس بطور یرغمال بھیجا مگر نور جہاں نے اس کا دل صاف نہ ہونے دیا، برابر گرہ ڈالتی رہی۔

مہابت خاں کی بغاوت

بادشاہ کو بدظن کرنے میں ملکہ کامیاب تو ہوگئی مگر اپنے داماد کے حق میں فضا ہموار کرنے کے لیے ابھی کافی پاپڑ بیلنے تھے کیونکہ اس راہ میں سب سے زیادہ مزاحم خود ملکہ کا بھائی آصف خاں تھا جس کی بیٹی شاہ جہاں کو بیاہی تھی۔ آصف خاں وزیر تھا اور دربار میں اُس نے کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔ وہ اپنے داماد کے خلاف نور جہاں کی کوئی سازش کامیاب ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔ ملکہ نے اس روڑے کو ہٹانے کی ایک اور چال چلی۔ بنگال کے صوبہ دار مہابت خاں کو دربار میں طلب کیا اور وزارت کے اکثر اختیارات بھائی سے چھین کر اس کے حوالے کر دیے۔ ابتدا میں تو مہابت خاں اس کا آلۂ کار بنا رہا مگر جب اُسے ملکہ کے عزائم کا پتہ چلا تو اس نے سازش میں ہاتھ بٹانے سے صاف انکار کر دیا۔ نور جہاں نے اُس کے خلاف متعدد الزامات لگا کر اُسے سزا دینی چاہی مگر ۱۶۲۶ء میں عین اُس وقت جب کہ کشمیر سے کابل جانے کے لیے بادشاہ دریائے جہلم کو پار کر رہا تھا مہابت خاں

نے خود بادشاہ ہی کو حراست میں لے لیا۔ نور جہاں نے بھی مجبور ہو کر اپنے آپ کو مہابت خاں کے حوالے کر دیا۔ کئی ماہ زیر حراست رہنے کے بعد ملکہ ڈھیلی پڑی اور مہابت خاں سے تعلقات استوار ہوگئے۔ اب مہابت خاں کو ایک فوج دے کر خرم کے خلاف روانہ کیا گیا مگر دکن پہنچ کر وہ شہزادہ خرم سے مل گیا۔

جہاں گیر کی وفات

اس دوران میں بادشاہ کی علالت بڑھتی گئی۔ وہ تبدیلی آب و ہوا کے لیے کشمیر بھی گیا مگر افاقہ نہ ہوا اور واپسی پر دمہ کا شدید دورہ پڑا اور لاہور کے قریب ۱۶۲۷ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

جہاں گیر کی سیرت

جہاں گیر بھی اپنے پیشرو مغلوں کی طرح نہایت جری اور بہادر تھا۔ اکبر نے اس کی تعلیم و تربیت کا بھی معقول انتظام کیا تھا۔ اُس نے مروجہ علوم و فنون میں کافی مہارت حاصل کرلی تھی۔ فطری مناظر کا بے حد دلدادہ اور شعر و شاعری کا خاصا ذوق رکھتا تھا۔ اس کے عقائد بھی نسبتاً سلجھے ہوئے اور پختہ تھے چنانچہ یہی باپ سے بغاوت کے محرک اور جانشینی کے بعد اُن بہت سی بدعات اور بے راہ رویوں کے قلع قمع کرنے کا موجب ہوئے جو اکبر نے رائج کر دی تھیں۔ عدل و انصاف کے معاملے میں تو وہ ضرب المثل ہے۔ داد خواہی کے لیے اُس نے انصاف کی زنجیر لٹکوا دی تھی۔ قانون کی نگاہ میں اپنے پرائے، رعایا اور حکام سب برابر سمجھے جاتے تھے اور جرم ثابت ہونے پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ ایک

دفعہ تو خود اُس کی چہیتی ملکہ نور جہاں ماخوذ ہوئی۔ اُس نے ایک راہی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ بادشاہ کو ملکہ بے حد عزیز تھی اس کے باوجود فوراً گرفتار کرایا اور قصاص کا حکم دیا۔ ملکہ نے فدیہ دے کر جان چھڑائی۔ وہ علمار و مشائخ کی قدر کرتا، ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتا۔ یتیموں، بیواؤں اور غرباء و مساکین کی بھی دل کھول کر امداد کرتا۔ عمّال کو بھی تاکید کر دی تھی کہ وہ بھی اپنے حلقہ کے مستحقین کی شاہی خزانہ سے مدد کریں۔

ان ساری خوبیوں کے ساتھ اس میں متعدد ایسی خامیاں بھی تھیں جنہوں نے اس کی شخصیت کو بہت ہی داغدار بنا دیا۔ یہ ساری خامیاں دراصل اس ناقص ماحول کی پیداوار تھیں جس میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ ایسے حالات میں آنکھیں کھولیں جب کہ دربار اور محل پر غیر اسلامی اثرات چھا رہے تھے، پروان چڑھنے کے لیے غیر مسلم ماں کی گود ملی۔ ظاہر ہے اس کی سیرت اور اعمال پر ان چیزوں کے بہت گہرے اثرات پڑے جو اصلاحِ حال کی کوششوں کے باوجود پورے طور پر دُھل نہ سکے۔ وہ اپنے والدین کا سب سے لاڈلا بیٹا تھا۔ بڑی تمنّاؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہوا تھا۔ لاڈ پیار نے اُسے ضدّی اور عیّاش بنا دیا تھا۔ شراب کی لت نے اس کی صحت برباد کر دی تھی اور اس کی بہترین صلاحیتیں مُردہ ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ اپنے فرائضِ منصبی سے غفلت برتنے اور دُوسروں پر غیر معمولی بھروسہ کرنے لگا تھا۔ اُس کی عیش پسندی نے اُسے نور جہاں کا ایسا گرویدہ بنایا کہ مملکت کا نظم و نسق عملاً اُسی کے ہاتھ میں چلا گیا جس کی وجہ سے طرح طرح کے فتنے اُٹھے اور دربار سازشوں کا اکھاڑا بن گیا۔ اُس کی

تنک مزاجی اور بے جا ہٹ نے اسے اکثر مظالم پر آمادہ کیا۔ عقائد کی صحت کے باوجود اس کی عملی زندگی سنور نہ سکی اور وہ اپنی کمزوریوں پر قابو نہ پاسکا۔

۱۔ اکبر کی خواہش کے خلاف جہاں گیر کس طرح برسرِاقتدار آیا؟ تخت نشین ہوتے وقت اس نے کیا حلف اُٹھایا تھا؟

۲۔ خسرو نے کیوں بغاوت کی؟ نتیجہ کیا ہوا؟

۳۔ عثمان خاں نے کیوں بغاوت کی تھی؟ افغانوں کی ہمدردیاں جہانگیر نے کیونکر حاصل کیں؟

۴۔ نور جہاں کون تھی؟ کس طرح جہانگیر کے نکاح میں آئی؟

۵۔ جہانگیر نے مملکت کی توسیع کے لیے کیا کیا؟

۶۔ یورپ کی تجارتی کمپنیوں کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

۷۔ خرم نے کیوں بغاوت کی؟ اس بغاوت میں غلطی کس کی تھی؟

۸۔ "مہابت خاں نے عجیب ڈرامائی انداز سے جہانگیر کو حراست میں لے لیا۔" وضاحت کرو۔ نتیجہ کیا رہا؟

۹۔ جہاں گیر کی سیرت و کارناموں پر روشنی ڈالو۔

۱۰۔ مندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہور ہیں؟

۱۵۵۶ء، ۱۶۰۵ء، ۱۵۶۹ء، ۱۶۰۲ء، ۱۵۹۴ء، ۱۵۹۵ء، ۱۶۱۱ء، ۱۶۲۶ء، ۱۶۲۷ء۔

باب (۱۲)

اکبری دور کے علمائے حق

خواجہ باقی باللہ رح، مجدد الف ثانی رح، اور شیخ عبدالحق رح محدث دہلوی۔

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ۔ عوام زندگی کے وہی طور طریقے اپناتے ہیں جو اُن کے فرماں رَواؤں کا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن جب اکبر جیسے جابر اور طاقتور فرمانروا اُس کے طویل دَورِ حکومت، دین حق سے اُس کے عناد، مذہب و معاشرت میں اُس کی بدعات اور پھر ان سب کی اشاعت کے لیے اُس کے وسائل اور کوششوں پر نظر ڈالتے ہیں اور عوام پر ان کُل کے مجموعی اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ یہاں یہ مثل صادق نہیں آتی کیونکہ چند جاہ طلب حاشیہ نشین درباریوں کے سوا کسی نے اس کا اثر قبول نہیں کیا اور جن لوگوں نے قبول بھی کیا اُنہوں نے نہایت بے دلی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ اکبر کی لاش کے ساتھ اس کا خود ساختہ دین بھی دفن ہوگیا۔

اس کا مطلب دراصل یہ نہیں ہے کہ مندرجہ بالا مثل غلط ہے کہ اکبر نے اپنی سی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا رکھی بلکہ اس کا بنیادی سبب اس دور کے متعدد بزرگانِ دین اور خُدا ترس امراء کی منظم اور اَن تھک کوششیں ہیں جو اُن لوگوں نے الحاد و بے دینی کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کے سلسلہ میں انجام دیں۔ اُن میں سے بعض کا ذکر اُوپر آچکا ہے بعض کا مختصر تعارف نیچے کرایا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ آپ کابل کے رہنے والے تھے ۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والدِ بزرگوار سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے سمرقند گئے۔ جو اُس وقت عُلوم و فنون کا مرکز تھا۔ اعلیٰ تعلیم کی تکمیل بھی نہ کر سکے تھے کہ تزکیۂ نفس کی طرف توجہ ہوئی متعدد بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی اور اُن کی صحبت سے فیض حاصل کر لیا مگر تسکین نہ ہوئی۔ بزرگِ کامل کی تلاش میں ہندوستان آئے۔ دہلی کے ایک بزرگ قطب عالمؒ کے مشورے سے بخارا گئے جہاں ایک بزرگ سے رُوحانی تربیت حاصل کی اور پھر اُنہیں کی ہدایت پر ہندوستان تشریف لائے۔ ایک سال لاہور میں قیام کیا پھر دہلی آگئے اور یہیں ۱۶۰۳ء میں انتقال فرمایا۔

آپ نہایت مُتّقی و پرہیزگار اور بڑے اللہ والے بزرگ تھے۔ دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے بجائے آپ نے اپنا سارا زور ان با اثر لوگوں کی اصلاح اور ان کی کوششوں کو منظم کرنے میں صرف کیا جو اکبری فتنے کا قلع قمع کرنے میں ممد ہو سکتے تھے۔ ان کے مُعتقدین میں علماء و مشائخ بھی تھے اور اکبر

کے بااثر اُمراء بھی۔ مجدد الفِ ثانیؒ تو آپ کے خاص شاگردوں میں تھے۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اور دوسرے متعدد علماء و مشائخ سے بھی آپ کے گہرے مراسم تھے۔ بااثر اُمراء میں جو لوگ آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے ان میں سے چند یہ ہیں۔ اکبر کے آخری دَور کے سب سے معتمد امیر شیخ فرید، اکبر کے سمدھی قلیچ خاں گورنر پنجاب، امیرالامراء خان اعظم مرزا کوکہ، بیرم خاں صاحبزادے عبدالرحیم خانخاناں (ہندی تخلص رحیمن) سپہ سالار دکن، ابوالفضل کے بہنوئی مرزا حسام الدین صدر الصدور (چیف جسٹس)۔ ان میں سے بعض تو اکبری فتنے کے شِکار بھی ہو چکے تھے مگر آپ کے فیض صحبت سے نہ صِرف اُن سب کی اصلاح ہوئی بلکہ ان کی اجتماعی کوششوں سے اکبری فتنہ اپنی موت آپ مَر گیا۔

۲۔ حضرت مجدّد الف ثانیؒ اکبری فتنہ کے آگے بند باندھنے اور اس کے اثرات کو زائل کرنے کے

ضمن میں یوں تو متعدد بزرگوں کی کوششوں کو دخل رہا ہے لیکن اُسے جڑ بنیاد سے اُکھیڑ پھینکنے اور عقیدے وعمل کی دوسری گمراہیوں کا قلع قمع کرنے میں جن بزرگ کا سب سے زیادہ ہاتھ رہا ہے وہ ہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کا اصل نام تو تھا احمد، اور رہنے والے تھے سرہند کے، چنانچہ آپ احمد سرہندی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ۱۵۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد بہت بڑے عالم اور نہایت پرہیزگار بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے انہیں سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ دِنوں تدریس کا کام انجام دیا۔ پھر اکبر آباد تشریف لے گئے۔ ان دنوں اکبر آباد ہی اکبر کا

دارُالسلطنت تھا اور وہاں ابوالفضل اور فیضی کا طوطی بول رہا تھا۔ اکبر کو بگاڑنے میں
سب سے زیادہ ہاتھ ان ہی دونوں بھائیوں کا رہا ہے۔ آپ نے ان دونوں سے
روابط قائم کیے۔ دربار اور اہلِ دربار کے بگاڑ کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اِن دونوں
سے تبادلۂ خیال کے کافی مواقع ملے۔ ابوالفضل کی بعض بُنیادی کوتاہیوں پر آپ نے
ٹوکا، بادشاہ کی بے رَاہ روی پر تنقید کی، فیضی کی بے نقط تفسیر کے لکھنے میں مدد دی۔
ایک عرصہ تک قیام کے بعد والد ماجد کے اصرار پر وہاں سے گھر لوٹے۔ ان کے انتقال
پر آپ دہلی تشریف لائے۔ کسی بزرگِ کامل کی تلاش تھی۔ حضرت باقی باللہ رح سے
ملاقات ہوئی۔ اُن کے تقویٰ، شرع کی پابندی اور فیض رسانی سے متاثر ہو کر ان
سے بیعت ہو گئے۔ آپ وہ مایۂ ناز شاگرد ہیں جن کے فضل و کمال سے خود لائق
اُستاد بے حد متاثر تھے اور اپنے اوپر جن کی برتری کو کھلے دِل سے تسلیم کرتے تھے۔ اُن
سے فیض حاصل کر کے آپ واپس سرہند تشریف لے گئے۔ عبادات اور ذکرِ الٰہی میں
آپ بہت زیادہ مشغول رہنے لگے۔ آپ کا درجہ اور بلند ہو گیا۔ حضرت باقی باللہؒ
سے مِلنے پھر دہلی تشریف لائے۔ اب مُرشد نے اُنہیں لوگوں کی تعلیم و تلقین کے
لیے لاہور بھیجا۔ آپ وہیں مُقیم تھے کہ حضرت باقی باللہ رح کی وفات کی خبر ملی۔ آپ
دہلی تشریف لائے۔ جہانگیر کا زمانہ تھا۔ شیخ فرید اور سلطنت کے دوسرے مسلمان
اُمراء سے آپ نے تعلقات بڑھائے اور اکبر کی رائج کردہ بدعات کو ختم کرنے اور
شرعی احکام کو جاری کرانے پر اُنہیں آمادہ کیا۔ رفتہ رفتہ آپ کا حلقۂ اثر بہت بڑھ گیا۔

دربار میں طلبی

لوگوں نے حسد میں آکر آپ کے خلاف جہانگیر
کے کان بھرے۔ جہانگیر نے آپ کو دربار

میں طلب کیا۔ آپ سے چند باتوں کی وضاحت چاہی، جواب سے مُطمئن ہو گیا مگر حاسد تو آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے تھے۔ اکبؔر کے زمانے سے بادشاہ کو سجدہ کرنا دربار کے آداب میں داخل تھا۔ آپ دربار میں گئے تو سجدہ نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ آپ کا سر اللہ کے سوا کسی کے سامنے جُھک بھی کیسے سکتا تھا۔ حاسدوں نے اسے گستاخی قرار دے کر بادشاہ کو بھڑکایا جہاںؔگیر نے اشتعال میں آکر آپ کو گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ آپ وہاں بھی خاموش نہ رہے۔ قیدیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ چند ہی دن میں متعدد قیدیوں کی کایا پلٹ کردی۔ کئی غیر مسلم قیدی متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور بہت نیک اور پرہیزگار بن گئے۔ ایک سال بعد جہانگیر کی غلط فہمی دُور ہوگئی، آپ کو رہا کر کے ساتھ رکھا۔ خود بھی آپ کا معتقد ہو گیا اور اپنے بیٹے شاہؔ جہاں کو بھی آپ سے بیعت کرائی۔ اب آپ کو اصلاحِ حال کا کافی موقعہ ملا۔ کئی سال تک بادشاہ کے ساتھ رہے۔ بادشاہ اور اس کے امراء واعیانِ حکومت کی اصلاح اور ان کے ذریعہ معروف کے قیام اور منکرات کے ازالہ کی آپ نے پوری کوشش کی۔ آپ نے رفتہ رفتہ مندرجہ ذیل امور پر جہاںؔگیر کو آمادہ کرلیا۔

۱۔ بادشاہ کے لیے سجدۂ تعظیمی منسوخ کیا جائے۔

۲۔ گاؤکشی کی عام اجازت دی جائے۔

۳۔ بادشاہ اور امرار نماز باجماعت کی پابندی کریں۔

۴۔ قاضی اور شرعی احتساب کے محکمے پھر قائم کیے جائیں۔

۵۔ تمام بدعات اور شرعی منکرات کو ختم کیا جائے۔

۶۔ غیر شرعی قوانین منسوخ کیے جائیں۔

۷۔ ٹوٹی ہوئی یا منہدم مسجدوں کی مرمت کرائی جائے۔

اب آپ کی عمر کافی ہو چکی تھی۔ آخر میں سرہند تشریف لے گئے اور وہیں ۱۶۲۴ء میں انتقال فرمایا۔

حضرت مجددؒ کی اہم خدمات

۱۔ آپ نے حکومت کے ذمہ دار اُمراء اور خود جہانگیر اور اُس کے بیٹے شاہجہاں کی تربیت کرکے اکبر کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا بہت حد تک قلع قمع کیا۔

۲۔ علمائے سُوء کی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں رونما ہو رہی تھیں آپ نے ان کی کوتاہیوں اور خرابیوں کی نشاندہی کرکے لوگوں کو ان کے مُضر اثرات سے بچانے کی کوشش کی۔

۳۔ اس زمانے کے بعض نام نہاد صوفیہ نے غیر اسلامی باتوں کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ آپ نے ان غلطیوں کی نشاندہی کی۔

۴۔ بدعات کا بہت زور ہو گیا تھا آپ نے بدعات کو مٹانے اور سنت کے اجراء کا بڑا اہتمام کیا اور اپنے عقیدتمندوں کا ایک جال بچھا کر دینِ حق کی اشاعت اور لوگوں کی اصلاح کا وسیع پیمانے پر اہتمام کیا۔

۵۔ آپ نے خطوط کے ذریعے نہایت شُستہ ادبی زبان اور مؤثر اسلوب میں لوگوں کو دین کی طرف راغب کیا۔ ان کے افکار و خیالات اور عادات و اطوار سنوارے۔ آج بھی وہ مکاتیب مختلف زبانوں میں دستیاب ہوتے اور پڑھے

والوں کے دلوں میں صحیح دینی جوش و جذبہ پیدا کرتے ہیں۔

۳۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح

آپ ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آبا و اجداد بُخارا کے رہنے والے تھے۔ علاء الدین کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں آباد ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد شیخ سیف الدین قادری رح بڑے خُدا ترس بزرگ اور جیّد عالم تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم و تربیت انہیں سے حاصل کی۔ باپ نے بیٹے کو دو باتوں کی خاص طور پر تلقین کی تھی۔

۱۔ کسی سے علمی کج بحثیوں میں نہ اُلجھنا اور نہ ایذا پہنچانا۔ مخالف کو حق پر پانا تو فوراً اس کی بات اور دلیل قبول کر لینا۔

۲۔ مال و دولت، جاہ و منصب کی حرص ہرگز نہ کرنا۔

چنانچہ آپ کی پُوری زندگی شاہد ہے کہ آپ نے ان کا لحاظ رکھا اور علماء کی تقلید کے لیے بہترین اسوہ چھوڑا۔ لکھنے پڑھنے کا آپ کو بچپن ہی سے بے حد شوق تھا۔ حافظہ اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی عنایت فرمایا تھا۔ آپ نے بڑے انہماک، محنت اور توجّہ سے تعلیم حاصل کی اور بہت کم عمری ہی میں خاصی استعداد بہم پہنچا لی۔ انہماک کا یہ عالم تھا کہ مطالعہ کے لیے بیٹھتے تو بسا اوقات چراغ سے آپ کی پگڑی جلنے لگتی اور جب پیشانی جلنے لگتی تب آپ کو احساس ہوتا۔ درس گاہ گھر سے دو میل تھی۔ دن بھر میں آپ دو بار آتے جاتے۔ مدرسے اوّل وقت پہنچتے اور بڑی محنت سے سبق یاد کرتے۔ کبھی کسی اُستاد کو آپ سے شکایت نہ ہوئی۔

دہلی میں تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ فتح پُور سیکری تشریف لے گئے۔ دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے یہاں مختلف علوم و فنون کے ماہرین جمع تھے۔ اکبر کا دور تھا درباری علماء ابوالفضل، فیضی وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ یہاں کا رنگ دیکھ کر آپ دہلی لوٹ گئے اور درس وتدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ آپ نے محنت کر کے اپنی صلاحیتیں کافی بڑھا لی تھیں۔ پھر بھی علم کا ذوق آپ کو عرب لے گیا۔ ۱۵۸۶ء میں مکّہ معظمہ پہنچے۔ حج سے فارغ ہو کر وہاں کے علماء سے علمِ حدیث کی تکمیل کی۔ تین سال بعد دہلی واپس آکر درس وتدریس اور تصنیف و تالیف میں لگ گئے۔ آپ نے نہایت خاموشی سے لوگوں کو دین کا صحیح علم بہم پہنچانا شروع کیا۔ سنت کے علم نے بدعات کا خود بخود راستہ روک دیا۔ اِس طرح آپ نے ایجابی طور پر بدعات کے قلع قمع میں نمایاں کام کیا۔ آپ کی کوششوں سے علمِ حدیث کا چرچا ہوا۔ اللہ نے آپ کو طویل عمر دی۔ آپ نے اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کے دور کے متعدد اُمراء اور اعیانِ حکومت سے تعلقات قائم کر کے ان کو بدعات سے اجتناب اور سنت کی ترویج کی طرف متوجہ کیا۔ حضرت باقی باللہ سے بھی آپ کے گہرے روابط تھے۔ آپ کی محنت سے شمالی ہند میں حدیث کا علم پھیلا۔ آپ سے پہلے اس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔ چورانوے سال کی عمر پاکر آپ نے ۱۶۴۲ء میں انتقال فرمایا۔

۱۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ سے تم کیا مطلب سمجھتے ہو ؟

۲۔ عوام اپنے حکمرانوں کا اتنا اثر کیوں قبول کرتے ہیں ؟

۳۔ اکبر کے سلسلے میں یہ مثل صادق کیوں نہیں آتی ؟

۴۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

۵۔ آپ نے اصلاحِ حال کے سلسلے میں کیا کیا کوششیں کیں ؟

۶۔ اکبر کے اُمراء میں سے کون کون اُن سے خاص طور پر متاثر ہوئے ؟

۷۔ حضرت مُجدّد الف ثانیؒ کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟

۸۔ آپ جہانگیر کے دربار میں کیوں طلب کیے گئے ؟

۹۔ آپ کو جیل کیوں بھیجا گیا ؟ جیل میں آپ نے کیا خدمات انجام دیں ؟

۱۰۔ جیل سے واپسی پر آپ نے کیا کیا ؟

۱۱۔ آپ کی خدمات پر روشنی ڈالو ؟

۱۲۔ شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو ؟

۱۳۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ کیا ہے ؟

۱۴۔ مندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہور ہیں ؟

۱۵۵۱ء، ۱۵۸۸ء، ۱۶۴۲ء، ۱۶۲۴ء، ۱۵۶۴ء، ۱۶۰۳ء -

باب ۱۳

شاہجہاں ۱۶۲۸ - ۱۶۵۸ء

ابتدائی حالات

شہزادہ خُرّم کا اصل نام شہاب الدین تھا۔ اس کی شاندار فتوحات کے صلے میں جہانگیر نے اُسے شاہ جہاں کے خطاب سے نوازا تھا۔ ۱۵۹۲ء میں بمقام لاہور پیدا ہوا۔ وُہ بھی اپنے باپ کی طرح تھا تو ایک راجپوت رانی کے بطن سے جو مارواڑ کے رانا کی بیٹی اور اکبر کے مشہور درباری مان سنگھ کی بہن تھی مگر جب آنکھیں کھولیں، محل اور دربار کی فضا بدل رہی تھی۔ اسلام پسند عناصر کی کوششوں سے غیر اسلامی اثرات ختم ہو رہے تھے اور اکبر کی رائج کردہ بدعات اور مشرکانہ عقائد و اعمال کے خلاف امرار اور عوام میں عام طور پر بیزاری پائی جاتی تھی۔ اس فضا کا شاہجہاں پر بھی اثر پڑا۔ معقول تعلیم و تربیت نے عقائد و اعمال سنوار دیے۔ عین جوانی میں مُجدّد الف ثانیؒ سے عقیدت اور پھر بیعت نے سونے پہ سہاگہ کا کام کیا۔ بیس سال کا ہوا تو آصف خاں کی بیٹی ارجمند بانو سے اس کی

شادی ہوگئی۔ ارجمند بانو بیگم نہایت خوبصورت اور سلیقہ مند خاتون تھی۔ شوہر کے دُکھ درد میں برابر کی شریک رہی۔ شاہجہاں اسے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

تخت نشینی

جہاں گیر کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کا مسئلہ کافی پیچیدہ ہوگیا۔ جہاں گیر کے دو بڑے بیٹے خسرو اور پرویز اس کی حیات ہی میں انتقال کر چکے تھے۔ شاہجہاں باپ کی نگاہ میں پہلے ہی معتوب ہو چکا تھا اور دارالسلطنت سے دُور دکن میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ نورجہاں اس کے بجائے اپنے داماد شہریار کو تخت نشین کرنا چاہتی تھی۔ ادھر آصف خاں اپنی بہن کے عزائم میں مانع تھا اور اپنے داماد شاہجہاں کو جانشین بنانا چاہتا تھا۔ اُمراء اور عوام کی اکثریت شاہجہاں کے حق میں تھی۔ آصف خاں نے بڑی سُوجھ بُوجھ اور تندہی سے کام لیا۔ شاہجہاں کو دکن سے بلا کر تخت و تاج کا وارث بنا دیا۔ شہریار کی آنکھیں نکلوا لی گئیں اور نورجہاں کو پنشن دے کر باقی ایام لاہور میں گزارنے کا انتظام کر دیا گیا۔ آصف خاں کی اہم خدمات کے صِلے میں اس کا منصب بڑھا کر انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

ایک نئے دَور کا آغاز

تخت نشین ہوتے ہی بادشاہ نے ایسی اصلاحات شروع کیں جو حکومت کی پالیسی میں اہم تبدیلی پر دلالت کر رہی تھیں۔ اکبر کی رائج کردہ بعض بدعات جہانگیر کے دَور میں بھی برقرار رہ گئی تھیں، شاہ جہاں نے انہیں دُور کرنے کی فکر کی۔ سرکاری کاموں میں ہجری سن کے استعمال کا حکم دیا۔ درباری سجدہ کسی نہ کسی شکل میں اب تک برقرار تھا، شاہجہاں نے اسے موقوف کر دیا۔

زندگی کے تمام شعبوں میں اسلام اور شعائرِ اسلامی کا لحاظ رکھا جانے لگا۔ مقدمات کے فیصلے شریعت کے مطابق ہونے لگے۔ غرض سمتِ سفر بالکلیہ بدل جانے کے باعث تیزی سے اصلاحات ہوئیں۔

بغاوتیں

شاہی خاندان میں اب کوئی حریف نہ تھا جس سے بغاوت کا اندیشہ ہو۔ ایک ایک کرکے سب لوگ راستے سے ہٹا دیے گئے تھے لیکن تخت نشین ہوتے ہی ملک کے بعض گوشوں میں بغاوتیں ہوئیں۔

بُندیلوں کی بغاوت

ابوالفضل کے قاتل ویر سنگھ بندیلے کو جہانگیر نے منصب اور جاگیر سے نوازا تھا۔ ویر سنگھ نے موقع پاکر اپنی قوت کافی بڑھالی تھی مگر وہ زندگی بھر مغلوں کا وفادار رہا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا جوجھار سنگھ جانشین ہوا تو اُس نے شاہ جہاں کے خلاف بغاوت کردی۔ بادشاہ کی اجازت کے بغیر دارالسلطنت سے بھاگ کر اورچھا (بندیل کھنڈ) پہنچا اور وہاں قلعہ بند ہوکر مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ شاہ جہاں نے نہایت مستعدی دکھائی۔ آس پاس کی مغل فوجوں کو ایک ساتھ یورش کا حکم دیا۔ مغلوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور خونریز جنگ کے بعد جوجھار سنگھ کو ہتیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔ اُس نے حاضر ہوکر معافی مانگی، بادشاہ نے جان کی امان تو دے دی مگر جائداد اور منصب گھٹا دیا۔ ۱۶۳۵ء میں اُس نے پھر بغاوت کی آخر بُری طرح پسپا ہوا اور نتیجے میں خود بھی مارا گیا اور پُورا خاندان تباہ ہوگیا۔

خان جہان لودی کی بغاوت ۱۶۲۹ء

جلوس کے دُوسرے سال

دربار کے مشہور امیر خان جہاں لودی نے بغاوت کردی۔ اس کی بغاوت کا اصل سبب شاہی عتاب کا بے بنیاد اندیشہ تھا۔ بات یہ تھی کہ جہانگیر کی وفات پر جب اس کے جانشین کا مسئلہ اُلجھا تو اس غیریقینی صورتِ حال سے خان جہاں نے فائدہ اٹھاکر افغانوں کا کھویا ہوا اقتدار واپس لانا چاہا کیونکہ وہ تجربہ کار سپہ سالار اور بااثر امیر تھا۔ ساتھ ہی نسلاً افغان ہونے کی وجہ سے تمام افغانوں کی تائید بھی اُسے حاصل تھی۔ اس لیے اُس کی نیت اور زیادہ خراب ہوگئی۔ پھر جب شاہجہاں کی مستعدی اور آصف خاں کے تعاون کے باعث کامیابی کی توقع نہ رہی تو شاہ جہاں سے معافی مانگ لی۔ شاہ جہاں نے معاف تو کردیا مگر خان جہان لودی کو اطمینان نہ ہوا۔ آخر وہ دربار سے بھاگ کر دکن پہنچا اور فوج اکٹھی کرکے شورش کرنے لگا۔ خان جہان کی اہم شخصیت کا شاہ جہاں کو احساس تھا۔ ادھر دکن کے حکمرانوں نے اس کی مدد کرکے صورتِ حال اور نازک کردی تھی۔ چنانچہ اس سے نمٹنے کے لیے خود شاہ جہاں آگے بڑھا۔ مغل فوجوں کی پیشقدمی دیکھ کر دکن کے لوگوں نے امداد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ خان جہان وہاں سے بھاگ کر راجپوتانہ میں جگہ جگہ مارا مارا پھرا مگر کہیں مدد نہ مل سکی آخر کالنجر میں گھر کر مارا گیا۔

دکن اور گجرات کا قحط ۱۶۳۰ء بادشاہ ابھی خان جہان کا پیچھا کررہا تھا کہ انہیں دنوں دکن اور گجرات میں زبردست قحط پڑا۔ ہزاروں آدمی بھوک پیاس سے مرنے لگے۔ شاہ جہاں کو ان پر بڑا ترس آیا۔ اُس نے اپنی مملکت کے قحط زدہ علاقوں

ہیں جگہ جگہ لنگر خانے کھلوائے ، جہاں سے بھوکوں کو مفت کھانا ملنے لگا۔ شاہی خزانے سے غربا ء کی دل کھول کر مدد کی گئی ۔ اس ایک سال کے قحط کے سوا شاہجہاں کا باقی پورا زمانہ اتنی آسودگی ، خوشحالی اور فارغ البالی سے گزرا کہ پوری تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی ۔

ممتاز محل کا انتقال ۱۶۳۱ء

بادشاہ ابھی دکن کی مہم سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ اس کی چہیتی ملکہ ممتاز محل کا انتقال ہوگیا۔ ممتاز محل کا اصل نام ارجمند بانو بیگم تھا۔ وہ نور جہاں کی بھتیجی اور آصف خاں کی بیٹی تھی ۔ کم سنی ہی میں شاہ جہاں سے منسوب ہوگئی تھی اور ساری زندگی نہایت وفادار اور شادی وغم میں برابر کی شریک رہی۔ اس کے اوصافِ حمیدہ کے باعث بادشاہ اسے بہت زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ دکن کی مہم میں ملکہ بھی ہمراہ تھی ۔ وہیں ایک بچی کی پیدائش کے سلسلہ میں بیمار پڑی تو پھر جاں بر نہ ہوسکی ۔ بادشاہ کو اس کی وفات کا بیحد قلق ہوا۔ لاش آگرہ لائی گئی اور پھر اس کی قبر پر شاہجہاں نے وہ شہرۂ آفاق روضہ تعمیر کرایا جو تاج محل کے نام سے موسوم ہوا۔

پرتگیزیوں کا قلع قمع

اکبر نے اپنے دور میں پرتگالی پادریوں کو سر پر چڑھالیا تھا۔ اسلام اور شعائرِ اسلام کی توہین ان کے لیے معمولی بات تھی ۔ جہانگیر نے اندرونِ ملک ان کی سرگرمیوں پر پابندیاں لگادیں لیکن سواحل پر وہ برابر اپنی طاقت بڑھاتے اور شرانگیزیاں کرتے رہے ۔ ان کی لوٹ مار سے بحری راستے انتہائی غیر محفوظ ہوگئے تھے ۔ سواحل پر جگہ جگہ انہوں نے

اپنی کوٹھیاں بنالی تھیں اور آس پاس کے ہندوستانیوں پر بے حد مظالم کرنے لگے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں کو ورغلا کر عیسائی بنا لیتے یا زبردستی غلام بنا کر بیچ ڈالتے تھے۔ ہُگلی کے قریب انہوں نے خاصی قوت حاصل کر لی تھی اور رفتہ رفتہ اتنے جری ہو گئے تھے کہ مغل رعایا پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے تھے۔ انہیں اپنی فوجی طاقت پر بڑا ناز ہو چلا تھا۔ آخر ان کی سینہ زوری اتنی بڑھی کہ مُمتاز محل کی دو باندیوں کو پکڑ لے گئے۔ بادشاہ نے ان کی فتنہ پردازیاں سُنیں تو ان کے خلاف سخت فوجی کارروائی کا حکم دیا۔ آخر بنگال کے حاکم نے ۱۶۳۲ء میں حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا جب جا کر آس پاس کی رعایا کو ان کی شرانگیزیوں سے نجات ملی۔

دکن کی فتوحات

دکن کی مسلم ریاستیں مُغل سلطنت کی توسیع میں سب سے بڑا روڑا تھیں۔ چنانچہ اکبر کے آخری دور ہی سے مغل حکمرانوں کی مسلسل یہ کوشش رہی کہ راہ کے ان روڑوں کو ہٹا کر دکن میں اپنی مملکت وسیع کی جائے۔ اکبر اور جہانگیر کی مساعی کا مختصر تذکرہ گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ شاہجہاں کو بھی جلوس کے دُوسرے سال ہی اس طرف متوجہ ہونا پڑا کیونکہ اوّل تو نظام شاہی اُمرا مستقل دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ وہ بیجا پور اور گولکنڈہ کے حکمرانوں کی شہہ اور آس پاس کے مرہٹہ سرداروں کی مدد سے مغلوں کے سرحدی قلعوں پر چھاپہ مارا کرتے تھے۔ دوسرے خان جہاں لودی بھی بھاگ کر ان سے جا ملا تھا۔ جس سے صورتِ حال اور زیادہ نازک ہو گئی تھی۔ شاہجہاں نے پُوری تیاری کے ساتھ خود ہی حملہ کیا۔ خان جہان لودی تو وہاں سے بھاگ نکلا اور کالنجر کے قریب گھر کر مارا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کی اعانت کے جُرم میں

مُغل فوجوں نے احمد نگر کو پامال کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور ۱۶۳۶ء تک باقی دو ریاستوں بیجاپور اور گولکنڈہ کو بھی مجبور کر دیا گیا کہ وہ مغلوں کی بالادستی تسلیم کرکے باقاعدہ خراج دیں۔ اِس طرح دکن کی ریاستوں کو زیر کرکے شاہجہاں نے اپنے بیٹے اورنگ زیب کو وہاں کا صوبہ دار مقرر کیا اور خود آگرہ لوٹ گیا۔

۱۔ شاہجہاں کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟

۲۔ اپنے باپ دادا کے مقابلے میں اس میں دینداری کا رُجحان کیوں زیادہ تھا؟

۳۔ شاہجہاں کن حالات میں اور کیسے تخت کا وارث بنا؟

۴۔ ”اس کی تخت نشینی ہند کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز تھی۔“ اس پر تبصرہ کرو؟

۵۔ خان جہاں لودی نے کیوں بغاوت کی؟ نتیجہ کیا رہا؟

۶۔ دکن اور گجرات کے قحط پر قابو پانے کے لیے شاہجہاں نے کیا کیا؟

۷۔ مُمتاز محل پر ایک مختصر نوٹ لکھو۔

۸۔ پرتگیزیوں کے ساتھ شاہجہاں نے کیا برتاؤ کیا؟ کیوں؟

۹۔ دکن کی مسلمان ریاستوں کے بارے میں شاہجہاں نے کیا رویہ اختیار کیا؟ کیوں؟

۱۰۔ مُندرجہ ذیل سنیں کیوں مشہور ہیں؟

۱۶۲۷ء، ۱۶۲۹ء، ۱۶۳۰ء، ۱۶۳۱ء، ۱۶۳۲ء، ۱۶۳۶ء۔

باب ۱۴

اَورنگ زیبؒ ۱۶۵۸ء - ۱۷۰۷ء

تاریخِ ہند کی اس اہم ترین شخصیت سے کون متعارف نہ ہوگا۔ مدارس و مکاتب اور علمی مجلسوں میں اس کا کردار اکثر موضوعِ بحث رہتا ہے۔ اس کے غیر معمولی تقویٰ، رعب داب، احساسِ ذمہ داری، عدل وانصاف اور حسنِ انتظام کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے اور طرح طرح کے الزامات بھی تھوپے جاتے ہیں۔

وہ شاہجہاں کا تیسرا بیٹا تھا۔ اس کا پُورا نام محی الدّین اورنگ زیب عالمگیر ہے۔ ۱۶۱۸ء میں ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کے دو بھائی دارا اور شجاع عمر میں اس سے بڑے تھے لیکن مختلف حیثیتوں سے یہی سب میں مُمتاز تھا۔ اس کی تعلیم وتربیت کا بہت معقول انتظام ہوا۔ وہ غیر معمولی ذہین، علم کا شائق اور محنتی تھا۔ چنانچہ بہت جلد مختلف علوم وفنون میں اس نے خاصی مہارت حاصل کر لی۔ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"، کم سنی ہی میں اس سے بعض ایسے امور صادر ہونے لگے جن سے اس کی غیر معمولی سُوجھ بُوجھ

ارادے کی پختگی اور بہادری و بے خوفی کا پتہ چلتا ہے۔ ابھی وہ پورے چودہ سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ ایک مست ہاتھی سے کھُلے میدان میں مقابلہ پیش آگیا۔ جمنا کے کنارے ہاتھیوں کی جنگ کا مظاہرہ ہورہا تھا۔ اورنگ زیبؒ بھی گھوڑے پر سوار وہیں موجود تھا۔ اتنے میں ایک مست ہاتھی اورنگ زیب کی طرف لپکا۔ اس نے نہایت مستعدی سے ہاتھی کے مستک پر وار کیا جس سے وہ ہاتھی بپھر گیا اور شہزادے کے گھوڑے کو زخمی کرکے نیچے گرادیا۔ اورنگ زیب بالکل ہراساں نہ ہوا بلکہ گھوڑے کی پیٹھ سے فوراً علیحدہ ہوکر نہایت بے خوفی سے ہاتھی کے مقابلے میں ڈٹ گیا۔ آخر اور لوگ مدد کو آگئے اور ہاتھی کو مار بھگایا۔

شاہجہاں اپنے اس بیٹے کی غیر معمولی صلاحیتوں سے واقف تھا چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر میں اسے دکن کا صُوبہ دار مقرر کردیا۔ دکن کی صوبہ داری کوئی پھُولوں کی سیج نہ تھی۔ کافی وسیع علاقہ، دشوار گزار راستے، شورہ پُشت لوگوں سے واسطہ، آمدنی کم، خرچ زیادہ، دارالسلطنت سے دُوری اور بادشاہ کی طرف سے تعاون کے بجائے غیر ضروری اور بے جا مداخلت، غرض مختلف زحمتیں تھیں۔ پھر بھی اس باصلاحیت شہزادے نے جان توڑ کوشش کی، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد حالات قابو میں آگئے اور چند ہی سال میں دکن کا بہت معقول انتظام ہوگیا۔ مگر ان خدمات کا اسے صلہ کیا ملا؟ حوصلہ افزائی کے بجائے باپ کی طرف سے قدم قدم پر رکاوٹیں اور بالآخر ۱۶۴۵ء میں صوبہ داری سے علیحدگی۔ اس کے ساتھ یہ بے انصافی کیوں ہوئی؟ اس کا بنیادی سبب دراصل اورنگ زیب کے بڑے بھائی داراشکوہ کو اس سے غیر معمولی عناد تھا۔ وہ اورنگ زیب سے

جلتا اور ہمیشہ اس کے درپۓ آزار رہا کرتا تھا۔ کیونکہ اوّل تو ان دونوں بھائیوں کے عقائد اور اعمال میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ دارا اپنے دادا اکبر کا متبع اور اس کی بے راہ رویوں کو دوبارہ عام کرنے کی فکر میں تھا جب کہ اورنگ زیب انہیں پُورے طور پر ختم کرکے حضورؐ کی سنّت کو زندہ کرنا چاہتا تھا۔ دوسرے اورنگ زیب کی غیر معمولی صلاحیتوں کے باعث دارا اسے اپنا مدِمقابل سمجھتا اور مستقبل میں اس کی طرف سے اندیشہ محسوس کرتا تھا۔ شاہ جہاں کی سب سے بڑی اولاد ہونے کے باعث دارا اُسے بہت زیادہ محبُوب تھا اور دباؤ ڈال کر جو چاہتا تھا کرالیتا تھا۔ شاہ جہاں نے اسے پنجاب اور کابل کا صوبہ دار مقرر کردیا تھا مگر وہ مختلف بہانوں سے آگرہ ہی میں مقیم رہتا اور اپنے بھائیوں خصوصًا اورنگ زیب کے خلاف باپ کو برابر ورغلایا کرتا تھا۔

صوبہ داری سے علیحدہ ہوکر اورنگ زیب چند ماہ گوشہ نشین رہا پھر گُجرات کا صوبہ دار مقرر کردیا گیا۔ اس نے وہاں بھی اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیے مگر دارا بھلا کب چین لینے دیتا وہ تو اورنگ زیب کو اپنی راہ کا روڑہ سمجھتا اور اسے ہٹانے کے درپے رہا کرتا تھا۔

بیرونی مہمات

اتفاق سے انہیں دنوں بلخ اور بدخشاں کی مہمات درپیش ہوئیں جنہیں سر کرنے کے لیے یکے بعد دیگرے شہزادہ مراد اور شجاع سپہ سالار مقرر ہوئے مگر دونوں ناکام رہے۔ دارا نے موقعہ کو غنیمت سمجھا اور باپ سے کہہ کر اورنگ زیب کو اس کٹھن مہم پر روانہ کرا دیا۔ اورنگ زیب خوشی خوشی روانہ ہوا اور بدخشاں پہنچ کر کئی معرکے سر کیے۔ پھر عبدالعزیز والیٔ بلخ کے خلاف

فوج کشی کی۔ ان مہمات میں شہزادہ نے بہادری کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک دفعہ گھمسان کا رَن پڑ رہا تھا کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ لوگوں نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس دلا کر نماز مؤخر کرنے کا مشورہ دیا مگر شہزادہ نے ایک نہ سُنی، سواری سے اُتر پڑا اور میدانِ کارزار ہی میں نہایت اطمینان سے باجماعت نماز ادا کی۔ اورنگ زیب کی اس جرأت سے والئ بلخ بے حد متاثر ہوا، بولا "ایسے شخص سے لڑنا اپنے کو تباہ کرنا ہے" اور پھر جنگ بند کرکے صلح کرلی۔

ابھی ان مہمات سے پُورے طور پر فراغت بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کرلیا۔ مغلوں کی نگاہ میں اس شہر کی اہمیت بہت زیادہ تھی کیونکہ وسط ایشیا کے کئی تجارتی راستے اسی شہر سے گزرتے تھے۔ چنانچہ اسے واپس لینے کی متعدد کوششیں ہوئیں، پانچ چھ سال تک محاصرے پر محاصرے ہوتے رہے، دو مرتبہ تو خود اورنگ زیب کی قیادت میں فوج کشی کی گئی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ اور ۱۶۵۳ء میں اس شہر پر ایرانیوں کا مستقل قبضہ ہوگیا۔

اورنگ زیب کا دکن میں دوبارہ تقرر ۱۶۵۳ء

اورنگ زیب کی دکن سے علیحدگی کے بعد وہاں کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ اس آٹھ نو سال کی مدت میں یکے بعد دیگرے کئی صوبہ دار مقرر ہوئے مگر کسی سے بھی انتظام سنبھل نہ سکا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس غلط فیصلے سے قدرت بھی ناراض ہے کیونکہ اس مدت میں زراعت کی ترقی اور کسانوں کی فلاح کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ چنانچہ کھیتی چوپٹ ہوگئی، گاؤں

اُجڑنے لگے بڑی بڑی آبادیاں ویران ہوگئیں۔ رعایا کی پریشانیوں میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا، سرکاری آمدنی بہت گھٹ گئی، شورہ پُشت سرکشی پر اُتر آئے اور جگہ جگہ لوٹ مار کرنے لگے۔ دکن کی باجگزار ریاستیں خراج دینے میں لیت ولعل کرنے لگیں اور رفتہ رفتہ مغلوں کی ساکھ بہت گرگئی۔ آخر مجبُور ہوکر اورنگ زیب کو دوبارہ دکن کا صُوبہ دار مقرر کیا گیا۔ دکن پہنچ کر سب سے پہلے اورنگ زیب نے رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی۔ شمالی ہند سے غلّہ منگا کر قحط زدہ علاقوں میں اناج کی منڈیاں قائم کرائیں، بھُوکوں کے کھانے کا بندوبست کیا، نادار کسانوں کو مویشی اور بیج خریدنے کے لیے رُوپیہ دیا۔ جیسی نیّت ویسی برکت، قدُرت نے بھی بارانِ رحمت سے نوازا۔ اُجاڑ علاقے سرسبز و شاداب ہوگئے۔ پھر ایماندار اور خُدا ترس لوگوں کی معرفت زیرِ کاشت زمین کی پیمائش کرائی اور پیداوار کا اندازہ کرکے معقول لگان مقرر کرایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد رعایا خوشحال ہوگئی اور سرکاری آمدنی میں بھی کئی گُنا اضافہ ہوگیا۔ اِدھر سے فارغ ہوکر ۱۶۵۷ء میں اورنگ زیب نے بیجاپُور اور گولکنڈہ کی طرف توجہ کی۔ وہ خراج کی ادائیگی میں لیت ولعل کر رہے تھے ساتھ ہی مغل سلطنت کی بدخواہی میں بھی طرح طرح کی حرکات کیا کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے حملہ کرکے انہیں مغل سلطنت میں شامل کرنا چاہا اور قریب تھا کہ انہیں فتح کرے مگر دارا شکوہ اور شاہجہاں پھر آڑے آئے اور خصُوصی فرمان کے ذریعے پیش قدمی روک دی۔

سلطنت کے لیے خانہ جنگی

دکن کے حالات بہت تیزی سے سُدھر رہے تھے اور توقع ہو چلی تھی کہ وہاں بھی عنقریب مغلوں کا تسلّط اتنا ہی مستحکم ہو جائے گا جتنا شمالی ہند میں ہے۔ مگر دارا کی

ناعاقبت اندیشی اور بیجا ہٹ کے باعث اورنگ زیب کو سردست اپنا منصوبہ منسوخ کرنا پڑا۔ اسے دُکھ تو بہت ہوا مگر کرتا کیا، باپ کے فرمان کی وجہ سے مجبور تھا، خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اتفاق سے اسی دوران میں شاہجہاں بیمار پڑا اور رفتہ رفتہ اس کی علالت اتنی بڑھی کہ وہ بستر سے اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اِس لیے مملکت کا نظم و نسق عملاً داراشکوہ کے ہاتھ میں آگیا۔ دارا نے اپنے غلط طرزِ عمل سے تینوں بھائیوں کو پہلے ہی ناخوش کر رکھا تھا۔ اب اپنا تسلّط مضبوط کرنے کے لیے اس نے بعض ایسے اقدامات کیے جن سے اُنہیں اپنا مستقبل تاریک اور جان خطرے میں محسوس ہونے لگی۔ ادھر شاہ جہاں کا درشن نہ ہونے کی وجہ سے ملک کے گوشے گوشے میں یہ افواہ پھیل گئی کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔ شہزادہ شجاع اس وقت بنگال صوبہ دار تھا۔ اُس نے سمجھا کہ اقتدار کے لالچ میں دارا نے باپ کو زہر دیدیا ہوگا، چنانچہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور انتقام لینے کے لیے چل دیا۔ وہ ابھی بنارس کے قریب پہنچا تھا کہ دارا کے بڑے بیٹے سلیمان شکوہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ شجاع نے بُری طرح شکست کھائی اور بنگال کی طرف لوٹ گیا۔ اِدھر چھوٹا بھائی مراد گجرات کا صوبہ دار تھا۔ دارا نے اسے ہٹا کر برار کے لیے نامزد کر دیا اور اِس طرح دکن کا شمالی علاقہ اورنگ زیب سے چھین کر اس کے حوالے کرنا چاہا۔ ظاہر ہے یہ فیصلہ دونوں کے لیے ناقابل قبول تھا۔ دارا نے اپنا فیصلہ بزورِ شمشیر منوانے کے لیے شاہ جہاں کی مخالفت کے باوجود، جسونت سنگھ کی قیادت میں شاہی فوج بھیجدی۔ اس کی اس حرکت سے مراد اور بھڑکا اور گجرات میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے داراشکوہ سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔

لیکن اس کے پاس فوج ناکافی تھی اِس لیے اورنگ زیب سے مدد چاہی۔ اورنگزیب
کو نہ تو شاہجہاں کے انتقال کا یقین تھا اور نہ وہ باپ سے بغاوت کرنا یا دارا
سے لڑنا چاہتا تھا، البتہ اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ بادشاہ سے مل کر اُس کی مزاج
پُرسی کرے اور بھائیوں کے معاملے میں دارا کے غلط طرزِ عمل کی اصلاح کرائے۔ مگر
جب شاہی فوجیں مالوہ تک بڑھ گئیں تو اُسے بھی مقابلہ کے سوا کوئی چارۂ کار
نظر نہ آیا۔ ادھر مراد امداد و تعاون کے لیے برابر اصرار کرتا رہا۔ چنانچہ اورنگ زیب
نے اس سے معاہدہ کیا کہ "دشمنِ دین اور ملحدوں کے سردار" دارا اور اس کے حوالیوں
موالیوں کے استیصال کے سلسلے میں دونوں مل جُل کر کوشش کریں گے اور اس کے
صلے میں وہ مغربی صوبوں لاہور، کابل اور ملتان وغیرہ کو مراد کے حوالے کر دے گا۔
مراد نے اِس کے صلے میں اورنگ زیب کا ساتھ دینے اور ہمیشہ وفادار رہنے کا
عہد کیا۔ پھر دونوں نے جسونت سنگھ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ وہ بُری طرح شکست
کھا کر بھاگا۔ اب دونوں کے آگے بڑھنے کا راستہ صاف تھا۔ دونوں آگرہ کے
قریب پہنچ گئے۔ اب تک اورنگ زیب نے مراد کو سمجھا بُجھا کر قابو میں رکھا اور
نیّت صرف شاہجہاں کی عیادت کی رہی مگر دارا نے شاہی فوج لے کر سموگڑھ کے
میدان میں مقابلے کے لیے پیش قدمی کی۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ۱۵ اپریل ۱۶۵۸ء
کو مڈبھیڑ ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا، مگر دارا مقابلے کی تاب نہ لاکر بھاگا۔
اورنگ زیب کی کامیابی پر شاہجہاں نے مبارکباد بھیجی اور یادگار کے طور پر
ایک تلوار انعام میں دی جس پر اورنگ زیب کے لیے عالمگیر کا لقب کندہ تھا۔
دارا بھاگ کر آگرہ پہنچا مگر شاہجہاں کو منہ دکھانے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ

وہ اس کے منع کرنے کے باوجود بھائیوں سے لڑنے گیا تھا۔ چنانچہ باپ سے ملے بغیر اپنے اہل و عیال اور جواہرات کو لے کر دلی کا رُخ کیا۔ مگر عالمگیر کے خوف سے پہلے پنجاب پھر گجرات گیا۔ اورنگ زیب کے سپاہی پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اجمیر کے قریب مُڈبھیڑ ہوئی اور گرفتار ہوکر دہلی لایا گیا۔ اس کے عقائد اور اعمال کے باعث تینوں بھائی اور ذمہ دار علماء اسے مُرتد اور اسلام سے خارج شمار کرتے تھے۔ چنانچہ علماء کے فتویٰ اور عدالت کے فیصلے پر وہ قتل کر دیا گیا۔

شاہجہاں کی معزولی

شاہجہاں یوں تو عملاً اپنی علالت کے پہلے دن (۱۶ر ستمبر ۱۶۵۷ء) ہی سے دارا کے ہاتھوں معزول ہو چکا تھا، کیونکہ اس کی علالت کے زمانہ میں حکومت کے سارے اختیارات دارا نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے تھے اور شاہ جہاں کو بالکل بے دست و پا کر دیا تھا من مانی کرتا، اپنی طرف سے فرامین گھڑتا، اور شاہ جہاں کی مرضی کے خلاف یا اُسے مجبور کر کے اس کے دستخطوں سے نافذ کرتا۔ ان میں سے اکثر فرامین تو انتہائی ناعاقبت اندیشانہ اور ان کے نتائج مملکت کے لیے بے حد خطرناک تھے۔ سموگڑھ کی جنگ میں اورنگ زیب کی کامیابی پر شاہ جہاں نے قلعے کی کُنجیاں اس کے پاس بھجوا دیں۔ اُمراء کے منع کرنے کے باوجود اورنگ زیب باپ سے ملنے قلعے جا رہا تھا۔ ابھی باہر ہی تھا کہ دارا کے نام بادشاہ کا ایک خط پکڑا گیا جس میں اورنگ زیب کو قتل یا قید کر دینے کے منصوبے کی طرف واضح اشارہ تھا اور دارا کو دہلی میں ٹھہر کر انتظار کرنے کی ہدایت تھی۔ وہ ملے بغیر لوٹ آیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا تو پتہ چلا کہ اس کو قتل کر دینے کی پوری تیاری ہو چکی تھی

چنانچہ شاہ جہاں کو معزول کرکے اس نے سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔

مُراد کی نظربندی

مُراد اب تک تعاون کر رہا تھا مگر جب اورنگ زیب، دارا کے تعاقب میں دہلی کی طرف بڑھا تو شاہ جہاں کی شہہ اور بعض مصاحبین کے ورغلانے پر اس کی نیت خراب ہوگئی۔ وہ فوج لے کر اورنگ زیب کے پیچھے چلا۔ مگر قبل اس کے کچھ نقصان پہنچائے اورنگ زیب نے اُسے گرفتار کرکے گوالیار کے قلعے میں نظربند کر دیا۔ جہاں وہ چار سال رہا۔ ایک بار بھاگنے کی کوشش کی مگر پکڑا گیا۔ آخر ایک شخص نے اپنے باپ کے قصاص کا دعویٰ کیا جسے مُراد نے قتل کر دیا تھا۔ قاضی نے خوں بہا کی ترغیب دی مگر وہ شخص تیار نہ ہوا، چنانچہ شرعی فیصلے کے مُطابق مُراد کو قصاص میں اپنی جان دینی پڑی۔

شجاع کا حشر

اورنگ زیب نے شاہجہاں سے فرمان جاری کرا کے بہار کا بہت سا علاقہ شجاع کو دلوادیا تھا۔ مگر شاہجہاں کی شہہ پر وہ بھی بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا اور فوج لے کر آگے بڑھا۔ اورنگ زیب مقابلے پر آیا، جسونت سنگھ ساتھ تھا۔ کھجواہہ کے مقام پر مُڈبھیڑ ہوئی۔ اورنگ زیب تہجد پڑھ رہا تھا، خبر ملی کہ جسونت سنگھ بدعہدی کرکے اپنی چودہ ہزار فوج سمیت شجاع سے مل گیا ہے۔ اُس نے پرواہ کیے بغیر نہایت اطمینان سے نماز پُوری کی۔ صبح کو جنگ ہوئی، شجاع شکست کھا کر بھاگا۔ فوج نے بنگال تک تعاقب کیا۔ وہ بھاگ کر اراکان کی پہاڑیوں کی طرف چلا گیا اور وہیں لاپتہ ہوگیا۔

شاہ جہاں کے آخری ایّام

معزولی کے بعد اُس کے آخری ایّام قلعے ہی

میں گزرے۔ اورنگ زیب نے اس کے ادب و احترام اور آرام و آسائش میں کمی نہ آنے دی۔ برابر تحفے تحائف بھیجتا اور مختلف امور میں صلاح و مشورے بھی کرتا تھا۔ مگر شاہ جہاں اپنے اس لائق بیٹے سے بدظن ہی رہا اور اسے تخت سے محروم کرنے کی ناکام کوششیں بھی کیں۔ آخر سات سال نظربند رہ کر ۱۶۶۶ء میں انتقال کر گیا۔ اس کی ایک تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ مرنے سے پہلے اس نے اورنگ زیب کو معاف کر دیا تھا۔

شاہجہاں کی سیرت و کردار

اورنگ زیب کے ساتھ اس کا رویہ بلاشبہ انتہائی قابلِ اعتراض رہا لیکن اور حیثیتوں سے اپنے پیش روؤں میں وہ خاصا ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کی سیرت کے نمایاں پہلو یہ ہیں۔

(۱) وہ بڑی پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ دلیری و جرأت اُسے اپنے پردادا بابر سے ورثے میں ملی تھی۔ فنونِ جنگ میں بھی وہ ماہر تھا۔ جس مہم میں وہ ہاتھ ڈالتا کامیابی اس کے قدم چومتی۔ اس کے باوجود وہ ظالم نہ تھا بلکہ پہلو میں ایک دردمند دل اور مظلوم و بےکس کے لیے غیر معمولی ہمدردی کا جذبہ رکھتا تھا۔ گجرات اور خاندیش کے قحط زدوں کی اس نے دل کھول کر امداد کی۔ عام طور پر بھی وہ داد و دہش کے لیے مشہور ہے۔

(۲) دشمنوں کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کو بھی وہ کسرِ شان سمجھتا تھا۔ ایران کے بادشاہ نے قندھار پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کی وفات پر اس کا نوعمر بیٹا تخت نشین ہوا تو موقع سے فائدہ اُٹھا کر قندھار واپس لینے کی طرف توجہ دلائی گئی مگر شاہجہاں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "ایک لڑکے کی سلطنت پر حملہ کرنا جس کے باپ کی حال ہی میں وفات ہوئی ہو اور جس کی حکومت کو ابھی استحکام نصیب نہ ہوا ہو، نیک سیرت سلاطین کے شایانِ شان نہیں"

(۳) متعدد عملی کوتاہیوں کے باوجود وہ راسخ العقیدہ مسلمان، نماز روزے اور وظائف کا پابند، پڑھا لکھا، انصاف پسند اور علماء کا قدردان تھا۔ دینی حمیت و غیرت بھی اس میں

کافی تھی اور شعائرِ اسلامی کا پاس و لحاظ رکھتا تھا۔ جوانی میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے فیضِ صحبت نے اس پر دینداری کا گہرا رنگ چڑھا دیا تھا۔

(۴) اپنے اہل و عیال سے اسے بے پناہ محبت تھی۔ بیوی سے عشق کی زندہ مثال تو تاج محل ہے، اولاد سے بھی غیر معمولی محبّت رکھتا تھا۔ اس کی اندھی محبت ہی داؔرا کے بگاڑ، نکمّے پن اور امراء کے حق میں گستاخی اور کج خلقی کا سبب بن گئی۔

(۵) عمارتیں بنوانے کا اُسے بیحد شوق تھا۔ جامع مسجد دہلی، لال قلعہ، موتی مسجد، تاج محل وغیرہ اس کے حُسنِ ذوق کی یادگار اور اپنی خوبصُورتی، کُشادگی اور مضبُوطی کے لحاظ سے اپنا جواب آپ ہیں۔ تعمیرات پر اُس نے بے دریغ رُوپیہ اُٹھایا اور اس کے دَور میں انتہائی فارغ البالی تھی، رعایا خوش حال اور خزانہ معمور تھا۔ چنانچہ اپنے اس ذوق کی تسکین کے لیے اُس نے رعایا کو پریشان نہیں کیا، پھر بھی اسے اسرافِ بیجا ہی کہا جائے گا۔

توسیع مملکت اور باغیوں کی سرکوبی

عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد اورنگزیب نے اپنی مملکت کی توسیع، باغیوں کی سرکوبی اور ان قوتوں کا زور توڑنے کی طرف توجہ کی جو اس کی مملکت کے لیے خطرہ تھے یا آئندہ ہو سکتے تھے۔

(۱) **آسام کی فتح ۱۶۶۳ء** اورنگ زؔیب نے شجاؔع کی جگہ اپنے وفادار سپہ سالار میر جؔملہ کو بنگال کا گورنر مقرر کیا۔ خانہ جنگی کے دوران کوچ بہار اور آسام کے راجاؤں نے کچھ مغل علاقہ دبا لیا تھا۔ میر جؔملہ نے فوج کشی کی۔ راستے بے حد دشوار گزار تھے مگر اس جانباز سپہ سالار نے انہیں پے در پے شکستیں دے کر اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد وہ بیمار پڑا اور چل بسا۔ اس کی جگہ اورنگ زؔیب کا ماموں شائستؔہ خاں گورنر مقرر ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر اراکان کے راجہ کو بھی شکست دی اور پرتگیزی ڈاکوؤں کو بھگا کر چٹاگانگ

پر بھی قبضہ کر لیا۔

(۲) باغی افغان قبائل کی سرکوبی ۱۶۷۰ء | بعض افغان قبائل شاہی عمّال کو پریشان کر رہے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لیے بادشاہ خود گیا۔ مدد پاکر مشہور جنگجو پٹھان سردار آغر خان نے باغیوں کو بُری طرح کچل دیا۔

(۳) ست نامیوں کی شورش ۱۶۷۲ء | یہ سادھوؤں کا ایک گروہ تھا جو میوات کے علاقے میں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ مغل پولیس کے ایک سپاہی سے ایک ست نامی کا جھگڑا ہو گیا تھا۔ یہی معمولی واقعہ شورش کا سبب بن گیا۔ کوتوالی کے سپاہیوں کو بھگا کر ست نامی آس پاس کے علاقے پر قابض ہو گئے اور دہلی کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ وہ جادُو جانتے ہیں اور ان پر ہتھیاروں کا اثر نہیں ہوتا۔ دُور اندیش اور معاملہ فہم بادشاہ نے فوجی پرچموں پر قرآن حکیم کی آیتیں اپنے ہاتھ سے لکھیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی جادُو نہ چل سکے گا۔ اس کے بعد مغل فوج نے اس شورش کو بالکل ختم کر دیا۔

(۴) راجپوتوں کی سرکوبی ۱۶۷۹ء | جودھپور کے راجہ جسونت سنگھ نے دارا کی حمایت میں جنگ کی تھی مگر معافی مانگ کر بعد میں اورنگ زیب کا طرفدار بن گیا تھا۔ کھجوا ہہ کے میدان میں اُس نے پھر بدعہدی کی تھی مگر اورنگ زیب نے اسے معاف کر کے پہلے احمد آباد پھر کابل کا گورنر بنا دیا جہاں ۱۶۷۹ء میں اس نے وفات پائی۔ مرنے کے بعد اس کی دو رانیوں سے دو بچّے پیدا ہوئے۔ دستور کے مطابق ان بچّوں کی پرورش حکومت کے ذمہ تھی مگر راجپوت انہیں چپکے سے جودھپور لے گئے اور اس سرکشی میں دُوسرے راجپوت راجاؤں کو بھی شامل کر لیا۔ بادشاہ نے ان کی سرکوبی کے لیے اپنے بیٹے اکبر کو بھیجا جو راجپوت رانی کے بطن سے تھا۔ بادشاہت کا لالچ دلا کر راجپوتوں نے اُسے باپ سے بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ اورنگ زیب نے بیٹے کو ایک خط لکھا کہ "خوب کام کیا راجپوتوں کو قبضہ میں کر لیا، اب وُہ بچ نہیں سکتے۔" خط اس

انداز سے بھیجا کہ راجپوتوں کے ہاتھ لگ گیا۔ شہزادے سے بدظن ہوکر ان لوگوں نے مدد سے ہاتھ کھینچ لیا۔ وہ باپ سے ڈر کر ایران بھاگ گیا اور مرتے دم تک وہیں رہا۔ اس کے بعد بغاوت فرو کر دی گئی۔

(۵) انگریزوں کی شرارت ۱۶۸۵ء | سُورت کے قریب انگریزوں نے حاجیوں کے کچھ جہاز لوٹ لیے۔ بادشاہ نے خفا ہوکر سارے انگریزوں کو گرفتار کرا لیا۔ اندرون ملک ان کی تجارت پر پابندی لگا دی اور ساری کوٹھیاں ضبط کر لیں۔ بعد میں انگریزوں نے معافی مانگی اور بہت سا تاوان دیا جب کہیں گلو خلاصی ہوئی۔

(۶) دکن کی مہمات ۱۶۸۱-۱۷۰۷ء | دکن میں بیجا پور اور گولکنڈہ کی مسلم ریاستیں ابھی نیم آزاد تھیں اور شیواجی کی قیادت میں مرہٹے بھی زور پکڑ گئے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لیے کئی بار فوجیں بھیجی گئیں مگر طویل مسافت، دشوار گزار راستوں وغیرہ کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۱۶۸۱ء میں بادشاہ نے خود دکن جاکر مرہٹوں کا قلع قمع کیا اور بیجا پور اور گولکنڈہ کی مسلم ریاستوں کو بھی ختم کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا کیونکہ وہ بار بار بدعہدی کرتی تھیں اور مخالفین کی قوت کا ذریعہ بنی ہوئی تھیں۔ اس طرح اب پندرہ لاکھ مربع میل کی وسیع سلطنت اور بیس کروڑ نفوس اس کی مُٹھی میں تھے۔ اتنی وسیع مملکت پر جس رعب داب اور دبدبہ وحشمت سے تقریباً نصف صدی تک اُس نے حکومت کی، ہندوستان کی شاہی تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں ملتی۔

وفات ۱۷۰۷ء | اورنگ زیب کے آخری ایام دکن میں گزرے۔ مختصر علالت کے بعد یہ عظیم و جلیل سلطان ۱۷۰۷ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ دکن ہی کی مہم سر کر کے شاہجہاں لوٹ رہا تھا تو محلوں سے دُور پردیس ہی میں وہ پیدا ہوا، دکن ہی میں زندگی کے بیشتر ایّام گزارے اور دکن کی مہمات سر کرنے کے بعد وہیں وفات ہوئی اور وہیں سپردِ خاک ہوا۔

خدمات واصلاحات | مخالفین کی سرکوبی اور مملکت میں توسیع کے ساتھ ساتھ اُس نے

رعایا کی فلاح و بہبود، حُسنِ انتظام اور ان خامیوں کی اصلاح کی طرف بھی پُوری توجہ کی جو اس کے پیش روؤں کے زمانے سے چلی آرہی تھیں۔ اس کی خدمات و اصلاحات میں سے چند اہم یہ ہیں:

(۱) اس کے پیشرو اپنے آرام و آسائش، رقص و سرود، شان و شوکت اور درباری تکلّفات وغیرہ پر بے دریغ رُوپیہ صرف کرتے تھے جس کے لیے رعایا پر متعدد غیر شرعی ٹیکس لگا رکھے تھے۔ اورنگ زیب نے ستّر سے زیادہ غیر شرعی ٹیکس موقوف کر کے رعایا کا بار ہلکا کیا۔ (۲) ناچ گانے، قصیدہ خوانی و شعر گوئی، جشنِ سالگرہ اور درباری تکلّفات وغیرہ کو ختم کر کے خزانہ کو بیجا اسراف سے بچایا۔ (۳) زمین بوسی، جھروکے سے درشن کے رواج میں رعایا کی توہین اور بادشاہ کی الوہیت کا شائبہ تھا اس نے انہیں بند کرا دیا۔ (۴) جزیہ عائد کر کے ذمیوں کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت کو حکومت کی شرعی ذمہ داری قرار دیا۔ (۵) بھنگ کی کاشت، شراب نوشی اور جُوا کی ممانعت کر دی۔ (۶) بدکاری اور قحبہ گری کو ختم کر کے بازاری عورتوں کو شادی پر مجبور کیا۔ خواجہ سرا بنانے یا لونڈی غلام بنا کر بیچنے کی بھی ممانعت کر دی۔ (۷) متعلقہ صوبہ دار کی اجازت کے بغیر ستی کو جُرم قرار دیا اور حکام کو ہدایت کی کہ ستی سے باز رکھنے کے لیے وہ اپنی خواتین سے بھی سمجھانے بجھانے کا کام لیں۔ (۸) قدیم سڑکوں اور سراؤں کی مرمت کرائی اور نئی نئی تعمیر کرائیں۔ عبادت گاہوں اور مدارس وغیرہ کے لیے زمینیں وقف کیں، جاگیریں اور عطیات دیے، مالگزاری کے آئین میں ترمیم اور دُوسرے محکموں کے ضابطوں میں اصلاح کی۔ (۹) ملک کے حالات اور حکام کی حرکات و سکنات سے براہ راست باخبر رہنے کے لیے پرچہ نویسی (حکام کی نگرانی کرنے والے عملہ کے ذریعے) کا وسیع انتظام کیا، نتیجے میں امراء و حکام فرض شناس بن گئے۔ امن و امان بحال رہا، مفسدوں کی سرکوبی اور مظلوموں کی دادرسی ہوئی اور حکام کی چیرہ دستیوں اور رشوت ستانیوں وغیرہ سے رعایا کو نجات مل گئی۔

(۱۰) سب سے اہم بلکہ بعض کے نزدیک "ملّت کے اس آخری پاسبان" کا تجدیدی کارنامہ شرعی

نظام کے قیام کی جدّ و جہد کے ساتھ "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین و ترتیب ہے جسے
ملک کے چیدہ علماء اور فقہ کی مستند کُتب کی امداد سے اس نے کافی وقت، قوت، پیسہ اور
توجہ صرف کر کے انجام دیا۔ اس کی وجہ سے عدالتوں کے فیصلوں میں سہولت اور یکسانیت پیدا ہوگئی
اور بعد کی نسلوں کی رہنمائی کے لیے خاصا مستند مواد اکٹھا ہوگیا۔

سیرت و کردار | سلاطین ہند میں بحیثیتِ مجموعی اس بوریہ نشین سلطان کا پایہ سب
سے بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا اور ان سے پُورا کام لینے
کی توفیق بھی بخشی۔ اُس نے نوّے سال سے زیادہ عمر پائی اور آخر تک ذہنی و جسمانی صحت و
توانائی برقرار رہی۔ چنانچہ ہر طرح کی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ملک و ملّت کی اس نے بہترین
خدمات انجام دیں اور ان کے صلے میں اُس نے اپنی ذات کے لیے اس دُنیا سے بہت کم لیا۔
اللہ اُسے جزائے خیر دے۔ اس کی سیرت کے نمایاں پہلو یہ ہیں :-

(۱) بچپن ہی سے بہت بہادر، جری اور طاقتور تھا۔ بڑھاپے تک اس کی ان صفات کا
مظاہرہ ہوتا رہا۔ ہاتھی سے لڑائی، میدانِ جنگ میں نماز، نوّے سال کی عمر میں فوج کی کمان وغیرہ
اس کا کھلا ہوا ثبوت ہیں۔ (۲) غیر معمولی محنت و مشقت کا عادی تھا۔ صرف تین گھنٹے سوتا باقی وقت
امور سلطنت کی انجام دہی یا عبادات وغیرہ میں گزارتا۔ اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتا (۳)
نہایت ہی سادہ، محتاط اور پاکیزہ زندگی گزارتا تھا۔ تکلف اور تصنع سے تو اُسے نفرت تھی، عام
سپاہیوں جیسی زندگی گزارتا۔ بیت المال کے پیسے کو وہ ہاتھ بھی نہ لگاتا تھا۔ ٹوپیاں بنا کر اور
قرآن شریف کی کتابت کر کے اپنی روزی کماتا۔ سادگی کے باوجود رعب داب اور جاہ و جلال کا
یہ حال تھا کہ مجلس میں انتہائی سنجیدگی رہتی اور جب اس کا کوئی فرمان یا مکتوب پہنچتا تو شہزادے
تک پیلے پڑ جاتے۔ (۴) جیّد عالم، حافظِ قرآن، ادیب اور خوشنویس تھا۔ عربی، فارسی، ترکی اور
ہندی زبانوں کا وہ ماہر تھا۔ قرآن و سنّت اور فقہ پر گہری نظر تھی (۵) بہت دیندار، متقی و پرہیزگار

تھا، فرائض وواجبات کے ماسوا سنن و نوافل کا بھی پُورا پابند تھا۔ اوراد و وظائف، شب بیداری ایّام بیض کے علاوہ ہر دو شنبے، جمعرات، جمعہ کو روزے رکھتا۔ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف وغیرہ اس کے معمولات میں داخل تھے۔ شرعی احکام کی پابندی اور نفاذ میں کسی مداہنت کا قائل نہ تھا (۶) احساس ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ سلطنت کے تمام کاموں پر خود نظر رکھتا، ہر چیز سے باخبر رہتا، سرکاری ملازمین کا خود تقرر کرتا اور ہر ایک پر کڑی نگرانی رکھتا۔ ساری ڈاک خود دیکھتا اور مناسب کارروائی کرتا۔ (۷) نہایت منصف مزاج اور عدل گُستر تھا۔ داد رسی کے وقت امیر غریب، اپنے پرائے، مُسلم غیر مُسلم سب کو ایک نظر سے دیکھتا، شہزادوں کے خلاف شکایات ملتیں تو انہیں سزا دینے یا تنبیہہ کرنے کے لیے کسی تحقیق کی بھی ضرورت نہ سمجھتا۔ بادشاہ یا حکومت کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔ انصاف مفت ملتا تھا۔ (۸) ذہانت و ذکاوت کے ساتھ بلا کا حافظہ پایا تھا۔ ادھیڑ عمر میں ایک سال کے اندر کلام پاک حفظ کر لیا۔ جسے ایک بار دیکھ لیتا عمر بھر نہ بھُولتا۔ مردم شناس اس درجہ تھا کہ صُورت دیکھتے ہی صلاحیتوں کا اندازہ لگا لیتا تھا۔ (۹) انتظامی صلاحیت تو اس میں کُوٹ کُوٹ کر بھری تھی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں دکن کا گورنر بنا اور اس انتہائی پیچیدہ اور مشکل کام کو نہایت کامیابی سے انجام دیا۔ معاملہ فہمی، فراست، تدبر اور استقلال میں بھی وہ اپنا جواب آپ تھا۔ (۱۰) عفو و درگزُر کا یہ حال تھا کہ معافی مانگنے پر کٹر سے کٹّر مخالفوں اور دشمنوں کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ جسونت سنگھ کو متعدد بار معاف کر کے عہدوں سے نوازا۔ مشہور مرہٹہ سردار شیوا جی اور انگریز تاجروں کے ساتھ بھی اس کا یہی رویّہ رہا۔ (۱۱) بحیثیت انسان سب کو اپنے برابر سمجھتا تھا۔ سجدۂ تعظیمی، قدمبوسی، جھروکے سے درشن وغیرہ کا اس کے سلسلہ میں تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سر پہ ہاتھ رکھ کر سلام کرانا یا حضُور کہلوانا بھی اُس نے گوارا نہ کیا۔ (۱۲) علم دوست اور علماء فضلا اور طلبہ کا قدردان تھا، ان کی اعانت کرتا۔ وظائف اور روزینے کا وسیع پیمانے پر انتظام کر رکھا تھا۔ اس کے دَور

میں تعلیم کی ترویج واشاعت کا یہ حال تھا کہ شہروں میں اوسطاً ہر تیس اور قصبات میں ہر چالیس فرد پر ایک مدرسہ تھا۔

اورنگ زیب پر اعتراضات

اتنے اوصاف وکمالات اور اتنی خدمات ملّی کے باوجود سلاطینِ ہند میں سب سے زیادہ ہدفِ ملامت اورنگ زیب ہی بنا ہے، اور آج تک اس پر طرح طرح کے بہتان تراش کر اس کی آڑ میں تمام مسلمانوں پر لعن طعن کی جاتی اور ان کے خلاف نفرت پھیلائی جاتی ہے۔ اعتراضات کی نوعیت یہ ہے:۔

(۱) "محض اقتدار کی خاطر اُس نے بھائیوں کو قتل اور باپ کو نظر بند کیا"۔ یہ اس شخص پر اعتراض ہے جس نے اقتدار سے دردِ سری کے ماسوا کوئی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھایا (۲) "اسلامی شریعت کو اپنی پالیسی کی اساس بنا کر اُس نے نہ صرف ہندوؤں اور شیعوں کو بلکہ سُنّیوں کے بعض گروہوں کو بھی ناراض کر دیا"۔ یہ اعتراض بھی دراصل اس کے پردہ میں اسلامی شریعت پر ہے جو محض سطحی علم اور اسلام کے اجتماعی نظام کی برکات سے ناواقفیت کی بنا پر ہے (۳) "غیر مُسلموں پر جزیہ لگا کر انہیں اپنا دشمن بنالیا" ستّراسّی غیر شرعی ٹیکسوں کو معاف کر کے اس نے جو احسان کیا اس کو تو یہ معترضین بھول جاتے ہیں اور اس معمولی شرعی ٹیکس پر اعتراض کرتے ہیں، جس سے غیر مسلموں کی بہت بڑی تعداد مستثنیٰ تھی بلکہ اس کی آمدنی صرف ان کی جان ومال کی حفاظت ہی پر صرف کی جاتی تھی اور اس کے عوض غیر مسلم ان بہت سی ذمہ داریوں سے بھی مستثنیٰ تھے جو مملکت کی بقا وتحفّظ وغیرہ کے سلسلہ میں براہِ راست مسلمانوں پر عائد ہوتی تھیں۔ (۴) "دکن کی مُسلم ریاستوں کو ختم کر کے اُس نے بہت بڑی سیاسی غلطی کی کیونکہ یہ ریاستیں اس کے سیاسی مخالفوں سے برابر ٹکر لیتی رہتی تھیں اور اس طرح پُشت پناہ بنی ہوئی تھیں"۔ یہ الزام بھی بے بنیاد ہے۔ یہی ریاستیں دراصل مرہٹوں کے جڑ پکڑنے اور مخالفوں کو قوت بہم پہنچانے کا سبب تھیں (۵) "مذہبی تعصّب کی بنا پر ہندوؤں کے بیشمار مندر مسمار کیے اور مدرسے بند کرا دیے"۔ اُس نے بعض مندر ضرور تڑوائے جہاں پوجا پاٹ کے بہانے اُس کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا جاتا تھا۔

اسی طرح بعض ایسے مدارس بھی بند کرائے جہاں مسلمان بچّوں کو بُت پرستی کی تعلیم دی جاتی تھی ورنہ عام طور پر اُس نے ان کے لیے جاگیریں بھی دیں اور فرمان کے ذریعہ ان کا تحفظ بھی کیا۔ اُس نے یہی کیا ہوتا تو آج ہزاروں قدیم مندر محفوظ کس طرح رہتے، خاص کر متھرا اور ایلورہ وغیرہ کے جن کے آس پاس اس کی زندگی کا بیشتر وقت گزرا۔ (۶) "مغل سلطنت کے زوال کا باعث بنا کیونکہ اپنی سخت گیر پالیسی اور مذہبی تعصّب کی بنا پر اس نے سب کو اپنا مخالف بنالیا تھا خصوصًا راجپوتوں اور مرہٹوں کو۔" حالانکہ جس رُعب داب اور دبدبہ و حشمت سے پُورے مُلک پر نصف صدی تک اُس نے حکومت کی کسی فرمانروا کو نصیب بھی نہ ہوا۔ ورثا رکی نالائقی سے سلطنتوں کے مٹ جانے کی ذمہ داری اگر ان کے اسلاف پر ڈالی جائے تو یہاں کا کون سا مشہور فرمانروا اس الزام سے بچ سکے گا؟ اشوک، کنشک، ہرش، بلبن، علاالدین، سکندر لودی، شیر شاہ وغیرہ سب اسی صف میں آجائیں گے جن کے مرنے کے چند سال بعد ہی ان کی سلطنتوں کا نام و نشان مٹ گیا جبکہ مغل سلطنت کا نام اورنگ زیب کے بعد بھی ڈیڑھ سو سال تک چلتا رہا۔

اسلام کے اعلیٰ معیار پر پرکھا جائے تو بلا شُبہ اس میں متعدد کوتاہیاں نظر آتی ہیں مثلاً (۱) شورائی نظام قائم کرنے کے بجائے ملوکیت کو برقرار رکھنا (۲) خلیفۂ وقت سے اجازت حاصل نہ کرنا (۳) مملکتِ خدا داد کو اپنی مِلک سمجھ کر بیٹوں میں تقسیم کر دینا (۴) بیٹوں کے بیاہنے کے سلسلے میں اپنے پیشرو مغلوں کی طرح غفلت اور سنّت کی خلاف ورزی وغیرہ۔ مگر جن حالات میں وہ گھرا ہوا تھا ان کوتاہیوں کے لیے بھی وہ زیادہ قابل ملامت نہیں ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ سلاطینِ ہند میں سب سے زیادہ ہدفِ ملامت وہی بنے ہیں جن کی سیرت نسبتاً کم داغدار ہے اور جو مختلف حیثیتوں سے بہت بلند تھے۔

باب ۱۵
مُسلمانوں کی خدمات

محی الدین اورنگ زیبؒ پر تاریخ ہند کا ایک اہم باب ختم ہوجاتا ہے اب عرب فاتحین کی آمد سے کم وبیش ایک ہزار سال کا وقفہ گزر چکا تھا۔ اس مُدّت میں اسلام کے حلقہ بگوش ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ یہاں کے وسائل و ذرائع سے اُنہوں نے پُورا پُورا فائدہ اُٹھایا اور اگرچہ اقتدار کے نشے میں ان سے بسا اوقات بے اعتدالیاں بھی ہوئیں مگر بحیثیت مجموعی ان کے بناؤ کا پلّہ بگاڑ سے کہیں بھاری رہا۔ انہوں نے ہمیشہ اس ملک کو اپنا وطن اور اس کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھا چنانچہ اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنے طور پر پوری کوشش بھی کی جس پر اس ملک کا چپّہ چپّہ گواہ ہے۔ مُسلمانوں کی خدمات کا ایک مجمل خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) یہاں کے باشندوں کو اُنہوں نے دینِ حق سے روشناس کیا۔ نتیجے میں کروڑوں بندگانِ خدا کو ایمان و عملِ صالح کی دولت نصیب ہوئی (۲) عقیدۂ توحید، خدا پرستی اور وحدتِ بنی آدم کا اتنا چرچا ہوا کہ خود غیر مسلموں میں متعدد پیشوا اور تحریکیں ایسی اُٹھیں جنہوں نے وحدانیت اور خُدا پرستی کی تعلیم دی اور بُت پرستی، چھوت چھات اور نسلی امتیاز کی مخالفت کی (۳) بیرونی دنیا سے روابط قائم کرنے کا ذریعہ بنے ورنہ اپنے محل وقوع اور مذہبی و معاشرتی بندھنوں کے باعث یہ ملک بیرونی دُنیا سے کٹ چکا تھا۔ چنانچہ دُوسرے ممالک کی علمی و فنّی ترقیوں سے یہاں کے لوگ اور یہاں کے علوم و فنون سے دُوسرے لوگ یکسر ناواقف تھے۔ مُسلمانوں نے اس خلیج کو پاٹا۔ نتیجے میں علوم و فنون کی ترقی اور لوگوں کے قلب ونظر میں وسعت پیدا ہوئی (۴) بحری تجارت جو صدیوں پہلے ختم ہو چکی تھی مُسلمانوں کے طفیل اس کی تجدید ہوئی اور رفتہ رفتہ ہندوستانی جنگی بحریہ کا قیام عمل میں آیا (۵) پُورا ملک سینکڑوں چھوٹی بڑی ریاستوں میں منقسم تھا جو آپس میں برسرپیکار رہتی تھیں مسلمانوں نے امن و امان بحال کیا اور ایک مضبوط مرکزی نظام کے تابع کر کے

سب کو ایک لڑی میں پرو دیا۔ نتیجے میں وحدت و اتّحاد کا تصور پروان چڑھا (۶) اپنی جانوں پر کھیل کر بیرونی حملوں خصوصاً منگولوں اور تاتاریوں کی لوٹ مار اور غارت گری سے ملک اور اہلِ ملک کو محفوظ رکھا (۷) ملک کے مختلف حصّوں کے باشندوں کے مابین میل ملاپ اور تبادلۂ خیال کے لیے ایک میٹھی مشترک عوامی زبان (لنگوا فرینکا) اُردو کو جنم دے کر پروان چڑھایا جو آج نہ صرف ملک کے گوشے گوشے میں بلکہ پڑوسی ممالک کے اہم مقامات پر بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے (۸) ستی، بچپن کی شادی اور دوسری خراب رسموں کو ختم کرنے اور نکاحِ بیوگان کو رواج دینے کی کوشش کی (۹) اخوت، مساوات، شخصی آزادی اور خواتین کے ساتھ حُسنِ سلوک کا درس دیا۔ (۱۰) معاشرتی آداب سکھائے۔ غذا، لباس، وضع قطع میں مہذّب عادات و اطوار کو رواج دیا۔ ستر پوشی کا عادی بنایا۔ کھانوں میں نفاست و لطافت اور نئے نئے کھانوں کی ایجاد کے علاوہ مل بیٹھ کر کھانے کا ایسا طریقہ رائج کیا کہ شرکا آپس میں مساوات و یگانگت محسوس کریں (۱۱) عدل و انصاف کا بڑے پیمانے پر انتظام کیا اور اس ضمن میں بہت ہی اعلیٰ نمونے پیش کیے (۱۲) نئی اور اعلیٰ طرزِ تعمیر سے روشناس کرایا۔ تازہ ہوا سے محروم تنگ و تاریک مکانات کی جگہ کشادہ، صحت بخش، ہوا دار مکانات بنانے اور پائیں باغ لگانے کو رواج دیا (۱۳) نئی نئی صنعتوں کو فروغ دیا اور کپڑوں کے کارخانے نیز دیگر صنعتی مراکز قائم کرکے پس ماندہ طبقوں کی مفلسی و بیکاری دُور کرنے کی کوشش کی (۱۴) پُرانے زمانے کے خطرناک، ناہموار اور دشوار گزار راستوں کی جگہ صاف اور کُشادہ سڑکیں بنوائیں، درخت لگوائے، سرائیں بنوائیں، کنویں اور تالاب کھُدوائے، زمین کی پیمائش کروائی اُن کی نوعیت متعین کی اور کاشت کو ترقی دی اور راستے کی حفاظت کے لیے پولس چوکیاں قائم کیں (۱۵) علم کی روشنی پھیلائی اور تعلیم و تربیت کی عام ترویج و اشاعت کے لیے کثرت سے درس گاہیں قائم کیں جن سے ہر طبقے کے طلبا استفادہ کرتے تھے۔

غرض سیاسی خدمات کے ساتھ معاشی، معاشرتی، اخلاقی اور رُوحانی حیثیت سے ملک کی فلاح و بہبود اور ترقی و خوش حالی کی طرف لے جانے کی اپنے طور پر پُوری کوشش کی۔

اہم سنین معہ تاریخی واقعات

۱۳۹۸ء : تیمور لنگ کا حملہ، جونپور کی شرقی سلطنت کا قیام۔

۱۴۰۱ء : مالوہ اور گجرات کی آزاد حکومتوں کا قیام۔

۱۴۱۲ء : محمود تغلق کی وفات اور تغلق خاندان کی سلطنت کا خاتمہ۔

۱۴۱۴-۵۱ء : سید خاندان کا دور حکومت، خضر خاں بانی۔

۱۴۴۳-۱۵۰۴ء : مہدوی تحریک کے بانی سید محمد جونپوری۔

۱۴۴۰-۱۵۱۸ء : بھگتی مت کے علمبردار کبیر داس۔

۱۴۵۱-۱۴۸۹ء : لودی خاندان کی حکومت کے بانی بہلول لودی کا دورِ حکومت۔

۱۴۷۶ء : جونپور کی شرقی سلطنت پر بہلول لودی کا قبضہ۔

۱۵۳۸ء : سکھ مت کے بانی گورو نانک۔

۱۴۸۵-۱۵۳۳ء : بھگتی مت کے علمبردار چیتنیہ۔

۱۴۸۹-۱۵۱۷ء : سکندر لودی کا دورِ حکومت۔

۱۴۹۲ء : اسپین سے مسلمانوں کا اخراج، کولمبس کا امریکہ کے قریب کے جزائر کا پتہ لگانا۔

۱۴۹۸ء : واسکوڈی گاما کا افریقہ کا چکر لگا کر کالی کٹ پہنچنا۔

۱۴۸۳ء-۱۵۳۰ء : مغل سلطنت کا بانی بابر۔

۱۴۸۶-۱۵۴۵ء : سوری خاندان کی حکومت کا بانی شیر شاہ۔

۱۵۰۴ء : بابر کا کابل پر قبضہ۔

۱۵۰۵-۱۵۹۳ء : ملا مبارک ناگوری۔

۱۵۱۰ء : گوا پر پرتگالیوں کا قبضہ۔

۱۵۱۷-۱۵۲۶ء : ابراہیم لودی کا دورِ حکومت۔

۱۵۱۹-۱۵۲۲ء: میگلن کا دنیا کے گرد پہلا چکّر۔
۱۵۲۶ء: پانی پت کی پہلی لڑائی، بابر کی فتح اور ابراہیم کا مارا جانا۔
۱۵۲۶-۱۵۳۰ء: بابر کا دورِ حکومت۔
۱۵۲۷ء: جنگ کنواہہ و چندیری اور راجپوتوں کی شکست۔
۱۵۳۰-۱۵۴۰ء: ہمایوں کا پہلا دورِ حکومت۔
۱۵۴۰ء: چوسہ کی جنگ، ہمایوں کی شکست اور ایران بھاگنا۔
۱۵۴۱ء: اکبرؔ کی امرکوٹ کے مقام پر غریب الوطنی میں پیدائش۔
۱۵۴۰-۱۵۴۵ء: شیر شاہ کا دورِ حکومت۔
۱۵۴۵-۱۵۵۴ء: سلیم شاہ سوری کا دورِ حکومت۔
۱۵۵۱-۱۶۴۲ء: شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی۔
۱۵۵۵ء: سوری خاندان کی حکومت کا خاتمہ، ہمایوں کی واپسی۔
۱۵۵۶ء: پانی پت کی دوسری لڑائی، ہیمو بقال کی شکست اور مارا جانا۔
۱۵۵۶-۱۶۰۵ء: اکبر کا دورِ حکومت۔
۱۵۶۰ء: بیرم خاں کا زوال، اکبرؔ کا باگ ڈور سنبھالنا۔
۱۵۶۲ء: جے پور کے راجہ کی بیٹی جودھا بائی سے اکبر کی شادی۔
۱۵۶۳-۱۶۰۳ء: حضرت خواجہ باقی باللہؒ۔
۱۵۶۴-۱۶۲۴ء: حضرت مجدد الف ثانیؒ۔
۱۵۷۲ء: شیخ سلیم چشتیؒ کا انتقال۔
۱۵۷۸ء: عبادت خانہ کی مجلسوں میں مختلف مذاہب کے علماء کے مناظرے۔
۱۵۷۹ء: ملا مبارک نے محضر نامہ تیار کرکے اکبر کو دینی امور میں امام عادل کا منصب د

۱۵۸۰ء: اکبر کے دربار میں گوا کی عیسائی مشنری۔
۱۵۸۲ء: اکبر نے دین الٰہی کے نام سے نیا دین گھڑا۔
۱۵۹۵ء: فیضی کا انتقال۔
۱۵۹۷ء: مہارانا پرتاپ کی وفات۔
۱۶۰۰ء ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام۔
۱۶۰۲ء: ابوالفضل کا قتل۔
۱۶۰۵-۱۶۲۷ء: جہانگیر کا دورِ حکومت۔
۱۶۱۱ء: نورجہاں سے جہانگیر کی شادی۔
۱۶۲۲ء: خُرّم کی بغاوت۔
۱۶۲۶ء: مہابت خاں کی بغاوت اور جہانگیر کی گرفتاری۔
۱۶۲۷-۱۶۵۸ء: شاہ جہاں کا دورِ حکومت۔
۱۶۲۷-۱۶۸۰ء: مشہور مرہٹہ سردار شیواجی۔
۱۶۳۱ء: ممتاز محل کا انتقال۔
۱۶۴۸ء: تاج محل کی تکمیل۔
۱۶۵۸-۱۷۰۷ء: اورنگ زیب کا دورِ حکومت۔
۱۶۵۹ء: بھنگ کی کاشت، جُوا، شراب کی ممانعت۔
۱۶۶۴ء: اورنگ زیب نے رسم ستی کی ممانعت کے احکام جاری کیے۔
۱۶۶۶ء: شاہ جہاں کی وفات۔
۱۶۶۰-۱۶۶۸ء: علماء کی ایک ٹولی سے فتاویٰ عالمگیری مرتب کرایا۔
۱۶۸۸ء: بنگال سے انگریزوں کا اخراج۔
۱۷۰۳-۱۷۶۳ء: شاہ ولی اللہؒ محدّث دہلوی۔